نصرۃ میگزین

صفر-ربیع الاول 1444ھ | ستمبر–اکتوبر 2022ء

شمارہ-68

طالبان عالمی برادری سے افغانستان میں اپنی حکومت کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں

کیا دیگر اقوام کا فکر و فلسفہ ماضی میں مسلمانوں کی سائنسی و علمی ترقی کا راز تھا

یہی وقت ہے کہ اسلامی خلافت مغرب کے ساتھ جاری تہذیبی تصادم کو ختم کر دے

ملک کا ایک بڑا حصہ سیلاب میں ڈوبا ہے جبکہ سیاسی و فوجی قیادت اس سے لاپرواہ اقتدار کی رسہ کشی میں مصروف ہے

فہرست

اداریہ 3

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(231-232) 6

حسد کی مصیبت، اس کا ماخذ، اسباب اور علاج 13

یہی وقت ہے کہ اسلامی خلافت مغرب کے ساتھ جاری تہذیبی تصادم کو ختم کر کے انسانیت پر سے ظلم کا خاتمہ کر دے (حصہ اول) 27

کیا دیگر اقوام کا فکر و فلسفہ ماضی میں مسلمانوں کی سائنسی و علمی ترقی کا راز تھا 45

فحش بینی (pornography) کا استعمال انسانیت کیلئے نقصان، انحصار اور مصائب کا باعث ہے 62

امت کے خادم 76

طالبان عالمی برادری سے افغانستان میں اپنی حکومت کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ مطالبہ کون کر رہا ہے اور کس سے کر رہا ہے ؟! 84

وہ تمام لوگ جو امریکی غلامی سے نجات کی خواہش رکھتے ہیں، انہیں لازماً 'نبوت کے نقشِ قدم پر دوبارہ خلافت' کے قیام کی جدوجہد کرنی چاہیے 88

اسلامی ریاست 93

سوال کا جواب: سود (رِبا) بہر حال سود ہی ہے، خواہ دارُالاسلام میں ہو یا دارُالکفر میں 97

سوال کا جواب: ایک مقررہ رقم سے خریداری کے وقت خریدار کو تحفہ دینا 107

سوال وجواب اس کو مت بیچو جو تمہارے پاس نہیں 112

ملک کا ایک بڑا حصہ سیلاب میں ڈوبا ہے جبکہ سیاسی و فوجی قیادت اس سے لاپرواہ اقتدار کی رسہ کشی میں مصروف ہے 117

اداریہ

پاکستان کے یوم آزادی، 14 اگست، کے موقع پر ملک گیر بحث نے پاکستان کے آئین اور سیاست کے طریقہ کار پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ یہ ایک بنیادی بحث ہے، جو تبدیلی لانے کے لیے پاکستان کے مسلمانوں کی کوششوں کی سمت کا تعین کرے گی جو ایک عرصے سے مشکلات و مصائب کا شکار ہیں۔ حقیقی آزادی صرف چہروں کی تبدیلی یا امریکہ مخالف بیان بازی سے نہیں ملے گی۔ حقیقی آزادی مغربی سیکولرازم، اس کی سرمایہ داریت، اس کی جمہوریت اور اس کے عالمی سیاسی نظام سے آزادی ہے۔ حقیقی آزادی کلمہ سے مکمل وابستگی ہے، جیسا کہ مشہور نعرے میں کہا گیا ہے، "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ"۔

فی الحال، پاکستان میں سیاست، باقی مسلم دنیا کی طرح، مغربی تہذیب کے مطابق کی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ سیاست لوگوں کی ان کے معاملات میں دیکھ بھال اور نمائندگی ہے، لیکن یہ دیکھ بھال ایک ایسے زاویے سے ہے جو اپنی بنیاد اور تفصیلات، دونوں حوالوں سے، اسلام سے متصادم ہے۔ یہ سیاست ایک سیکولر سیاست ہے، جہاں مذہب اور دین کا کوئی کردار نہیں ہے۔ مذہب خالصتاً ذاتی معاملہ ہے اور اس کا سیاست اور حکمرانی میں کوئی کردار نہیں ہے۔ چنانچہ مغرب میں عیسائیت ریاست کا مذہب ہے لیکن ریاست کے آئین، پالیسیوں اور قوانین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اسی طرح مسلم دنیا میں بھی اسلام ریاست کا مذہب ہے، لیکن اس کا آئین، قوانین اور پالیسیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مغرب نے سیکولر سیاست کو اپنا کر ترقی حاصل کی، لیکن مسلم دنیا میں یہ راہ ترقی کا باعث نہیں بنی۔ سیکولر سیاست استعمار کے لیے مسلم دنیا پر اپنی مرضی مسلط کرنے کا ایک مؤثر چور دروازہ ہے۔ مقامی سیاسی اشرافیہ استعمار کے مفادات کی تکمیل کے لیے سیاست، قوانین اور آئین میں تبدیلیاں کرتی ہے۔ لہٰذا، مسلم دنیا کی سیاسی قیادت ایسی ہے

جس نے اپنی فیصلہ سازی غیر ملکیوں کے حوالے کر دی ہے۔ یہ سلسلہ ایسے ہی چلتا رہے گا، کیونکہ مسلم دنیا کے پاس اس کی روک تھام کے لیے اسلام کی کسوٹی نہیں ہے۔

مسلم دنیا میں سیاست کی از سر نو تعمیر وقت کی ضرورت ہے۔ مسلمان کے لیے کسی معاملے کی بھی اصلاح دین اسلام کے معیار کے مطابق ہونی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمْ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ "بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا، جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے"**۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا، **فَمَا تَأْمُرُنَا "آپ ﷺ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟"** آپ ﷺ نے فرمایا، **فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ "تم ایک کے بعد دوسرے (خلیفہ) کی بیعت کو پورا کرو اور انہیں اُن کا حق ادا کرو، اور اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا جو اُس نے انہیں دی"** (بخاری و مسلم)۔

امام نووی رحمۃ اللہ اس حدیثِ نبوی کی شرح میں فرماتے ہیں، يَتَوَلَّوْنَ أُمُورهمْ كَمَا تَفْعَل الْأُمَرَاء وَالْوُلَاة بِالرَّعِيَّةِ "وہ انبیاء ان (عوام) کے معاملات میں ان کے اس طرح نگہبان تھے جیسے اسلامی امیر اور والی (گورنرز) ہوتے ہیں"۔ پس جس طرح انبیاء علیہم السلام نے وحی الٰہی کے ذریعہ معاملات کی تصحیح کی تھی اسی طرح اسلامی امیروں اور والیوں کو بھی ہونا چاہئے۔ انہوں نے مزید کہا کہ، وَالسِّيَاسَة الْقِيَام عَلَى الشَّيْء بِمَا يُصْلِحهُ " سیاست: کسی معاملے کے حوالے سے ہونے والے فیصلے پر عملدرآمد ہے، کہ اس کے ذریعے اس (معاملے) کی اصلاح ہو"۔ اصلاح صرف اسلام سے ہے اور اس کے سوا کسی اور چیز کے ذریعے اصلاح نہیں ہوتی۔ چنانچہ مسلمانوں کی نمائندگی خلیفہ کرتا ہے، جسے مسلمان بغیر کسی جبر کے منتخب کرتے ہیں اور اسے بیعت دیتے ہیں۔ پھر وہ مسلمانوں کا اُن کے معاملات میں اسلام کے نقطہ نظر کے مطابق ولی (سرپرست، نگہبان) بن جاتا ہے۔ لہٰذا آئین،

قوانین اور پالیسیاں سب صرف اور صرف قرآن اور سنت نبوی ﷺ سے اخذ کیے جانے چاہئیں۔ یہی وہ چیز ہے جو استعمار کی مداخلت کے دروازے بند کرتی ہے اور سیاسی فیصلہ سازی میں حقیقی آزادی کی طرف لے جاتی ہے۔

اس طرح یہ خلافت ہی ہے جو استعماری اثر ورسوخ سے مکمل آزادی کو یقینی بنائے گی۔ یہ خلافت ہی ہے جو استعمار کی کھینچی ہوئی سرحدوں کو ہٹا کر مسلم دنیا کو ایک ریاست کے طور پر یکجا کرے گی۔ یہ خلافت ہی ہے جو استعماری سیاسی نظام کی پابندیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مقبوضہ مسلم سرزمینوں کو آزاد کرائے گی۔ اور یہ خلافت ہی ہے جو پوری دنیا کو اسلام کی دعوت کے لیے کھول دے گی، جہاد کے ذریعے مادی رکاوٹوں کو دور کرے گی، یہاں تک کہ ان شاءاللہ پوری دنیا پر اسلام کی حکومت ہوگی۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عملی طور پر مسلم دنیا کی اس سیاسی اصلاح کی قیادت کون کرے گا، تو حزب التحریر کو اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے دیکھا جانا چاہیے۔ حزب التحریر نے 191 دفعات پر مشتمل ایک جامع آئین تیار کیا ہے جس میں اسلامی ریاستِ خلافت کا وسیع وژن پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ، اس نے کتابوں کا ایک ذخیرہ تیار کر رکھا ہے، جو اس موضوع پر لکھی گئی اسلامی فقہ کی تفصیلات بیان کرتی ہیں، جنہیں اسلام کے مطابق حکمرانی اور سیاست کے لیے مسلمانوں نے صدیوں کے دوران مرتب کیا۔ اس نے انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمان، مردوں اور عورتوں کی ایک فوج تیار کی ہے، جسے اسلام کے زاویے سے سیاست کرنے کی تعلیم اور تربیت دی گئی ہے۔ پس پاکستان کے مسلمانوں کو، اس حقیقت کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے، اس مشترکہ نوحے، "قیادت کا خلا ہے"، کا از سر نو جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا واقعی کوئی قیادت موجود نہیں ہے؟!
اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ راضی ہوا تو حزب التحریر ہمیں حقیقی آزادی کی طرف لے جائے گی جس کے لیے ہم سب دعا کرتے ہیں۔

فہرست

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(231-232)

جلیل قدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابوالرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (231) وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (232)﴾

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ، یا بھلائی کے ساتھ الگ کردو اور انہیں ضرر دینے کے لئے روکنا نہ ہو کہ حد سے بڑھو اور جو ایسا کرے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے، تم اللہ کے احکامات کو ہنسی کھیل نہ بناؤ اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے اسے بھی، اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالی ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کریں تو انہیں اُن کے (سابقہ) خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں۔ یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں تم میں سے اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر یقین و ایمان ہو اس میں تمہاری بہترین صفائی اور پاکیزگی ہے، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔

اللہ سبحانہ و تعالی ان دو آیات میں یہ بیان فرماتا ہے:

1۔ جب آدمی اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے دے، پھر اس کی عدت ختم ہونے کے قریب آجائے تو اس آدمی کو چاہیے کہ یا تو اس سے رجوع کر لے اور بھلے طریقے سے اس کو اپنی بیوی بنائے، اس کے ساتھ اچھی صحبت اور

حسن معاشرت کا معاملہ کرے یا پھر اس کو اپنی عدت پوری کرنے کے لیے چھوڑ دے تا کہ وہ آزاد ہو اور یوں وہ بغیر تنگ کیے یا ستائے، بھلے طریقے سے رخصت ہو۔

اللہ تعالی اس بات کو شوہر پر حرام قرار دیتا ہے کہ وہ بیوی کو ستانے کے لیے روکے رکھے یعنی اس سے روجوع کرنے کی وجہ اس سے رغبت نہیں بلکہ اس کو تنگ کرنے کو طول دینے اور اپنی عدت پوری کر کے آزاد ہونے سے روکنے کے لیے ہو تا کہ وہ مجبور ہو کر اس کے حق میں اپنے حقوق سے دستبر دار ہو جائے اور تب وہ اس کو طلاق دے دے۔ ایسا کر کے شوہر اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے کیونکہ اس کو آخرت میں اللہ کے عذاب کا سامنا ہو گا اور دنیا میں بھی بیوی کے حقوق سلب کرنے اور اس کو اذیت دینے کی وجہ سے لوگوں کے سامنے اس کی بد اخلاقی عیاں ہو گی۔

اس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالی شوہروں کو اللہ کی آیتوں اور احکامات سے کھیلنے سے خبر دار کرتا ہے کہ کہیں وہ اس رجوع کے حق کو غلط طور پر استعمال نہ کریں جس کا حق اللہ نے ان کو دیا ہے، یعنی وہ اس حق کو عورت کو اذیت دینے کے لیے استعمال کریں، نہ کہ اس کے ساتھ معاشرت اور اس میں رغبت کی وجہ سے۔

اللہ سبحانہ وتعالی ہمیں اسلام کی اس نعمت کی یاد دہانی کرواتے ہیں جو انھوں نے اپنی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کی سنت کے ذریعے ہم پر انعام کیا ہے تا کہ ہم اس پر اللہ کا شکر ادا کریں، اس کی شریعت کی پابندی کریں اور اس کے احکامات اور آیات سے عبرت اور نصیحت حاصل کریں۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالی تقوی کے حکم کے ساتھ آیت کریمہ کا اختتام فرماتا ہے تا کہ ہم ہر قول و فعل میں اللہ سے ڈریں، اللہ سبحانہ وتعالی سے کوئی چیز مخفی نہیں اللہ سبحانہ وتعالی ﴿**بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ**﴾ **"ہر چیز کا علم رکھنے والا"** ہے۔ اس میں اپنی بیویوں کے ساتھ معاشرت میں اللہ کی شریعت سے پہلو تہی کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔

﴿فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ "پھر پہنچ جائیں اپنی مدت کو" یعنی عدت کے اختتام پر۔ یہ اس لیے کہ لفظ (أَلَاجَلَ) "مدت" دراصل مکمل مدت کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ صحاحِ ستہ میں آیا ہے۔ علاوہ ازیں، یہ مدت کے آخری حصے کی طرف اشارے کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ زہری نے روایت کیا ہے۔ یعنی اس لفظ کے متعدد معنی ہیں اور مقصود معنی کا تعین قرینہ سے ہوتا ہے۔ یہاں قرینہ ہے، **﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ "انھیں بھلائی کے ساتھ بساؤ"**، جو عدت کے آخری حصے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ شوہر صرف عدت کے دوران ہی اپنی بیوی کو واپس لے سکتا ہے، اگر عدت ختم ہو جائے تو رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی **﴿فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ "پھر پہنچ جائیں اپنی مدت کو"** کا مفہوم یہ ہے کہ عدت کا اختتام جہاں مقرر مدت پوری ہوتی ہے۔

﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ "پھر ان کو بھلائی کے ساتھ بساؤ یا بھلائی کے ساتھ رخصت کردو" یعنی جب ان کی عدت ختم ہونے والی ہو، تو یا تو انہیں روک لو اور واپس بسا لو یا انہیں ان کی عدت پوری کرنے کے لیے چھوڑ دو، اور یوں تم انہیں آزاد کر دو تاکہ اُنہیں اپنے فیصلے کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے۔

یہ تمام تفصیلات طلاق رجعی کے بارے میں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ "طلاق دو بار ہے"** یہی وہ طلاق ہے جس میں شوہر کے لیے عدت کے اندر بیوی سے رجوع کرنا جائز ہے۔

﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا﴾ "انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم وزیادتی کے لیے نہ روکو" یعنی اُن کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے روکنا۔ یعنی شوہر بیوی کو نہیں چاہتا مگر اس کو جانے نہیں دیتا تاکہ بیوی مجبور ہو کر اپنے کچھ حقوق سے شوہر کے حق میں دستبردار ہو جائے۔ یوں شوہر بیوی کے حقوق ہڑپ کرنے کا مرتکب ہو گا۔

﴿ضِرَارًا﴾ "تکلیف پہنچانے کی غرض سے" یعنی بیوی کو آزاد کرنے کو مؤخر کرنا اُس کو اذیت دینے کا باعث ہو گا۔

﴿لِتَعْتَدُوا﴾ "ظلم کرنے کی غرض سے" یعنی بیوی کو طلاق لینے اور شوہر سے آزادی حاصل کرنے کے لیے اپنے حقوق سے دستبردار ہونے پر مجبور کرنا بیوی پر ظلم کرنا ہے۔

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُم﴾ "اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو" یعنی اسلام جیسی نعمت پر اللہ کا شکر ادا کریں اور اللہ کی شریعت کی پابندی کریں۔

﴿وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ﴾ "اور جو کتاب و حکمت تم پر نازل کی" یعنی جو قرآن اور سنت تم پر نازل کی اور یہ ﴿نِعْمَتَ اللَّه﴾ "اللہ کی نعمت" سے قبل بیان کے ساتھ معطوف ہے۔

2۔دوسری آیت میں ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُن﴾ "اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں (اے عورتوں کے والیو) ان کے (سابقہ) خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو"، اللہ تعالی یہاں طلاق شدہ بیویوں سے متعلق حکم بیان فرماتا ہے کہ جب وہ اپنی عدت کا وقت پورا کر لیں۔

پہلی آیت میں اللہ سبحانہ و تعالی یہ بیان فرماتے ہیں کہ شوہروں کو چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں کو ان کے حقوق سے دستبردار ہونے پر مجبور کرنے کے لیے انہیں ضرر نہ پہنچائیں، کیونکہ یہ حد سے بڑھنا ہے۔

اس آیت میں اللہ سبحانہ و تعالی ایک اور حکم بیان فرماتے ہیں اور وہ یہ کہ جب مطلقات (طلاق یافتہ خواتین) عدت پوری کر لیں اور اس کے بعد ان کے سابقہ شوہر ان سے نئے سرے سے نکاح میں رغبت کا اظہار کریں اور نئے عقد اور نئے مہر کے ساتھ ان سے نکاح کرنا چاہیں۔ یہ ایک یا دو طلاق کے بعد ہوتا ہے تو اس صورت میں اللہ سبحانہ و تعالی

ان عورتوں کے والیوں کو حکم دیتا ہے کہ اگر وہ شوہر اور وہ مطلقہ بیوی واضح سچی رغبت سے اسلامی آداب کے اندر یہ چاہتے ہوں تو ان کو اس نکاح سے منع نہ کریں۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالی یہ بیان کرر ہے ہیں کہ ایسے نکاح پر رضامندی بڑی برکت اور نفع بخش ہے اور جو غیر رضا مندی والے نکاح کے مقابلے میں گناہ اور شکوک وشبہات سے بہت دور ہے۔

اللہ تعالی آیت کریمہ کا اختتام اس بات پر کرتے ہیں کہ امور کے حقائق کو صرف اللہ سبحانہ وتعالی ہی جانتا ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ انسان کسی کام کو پسند کرے مگر اس کے نتائج شر انگیز ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان کسی کام کو ناپسند کرے مگر اُس کے نتائج خیر ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ والی یہ گمان کریں کہ اس نکاح میں خیر ہے یا اس میں شر ہے مگر نتائج ان کے گمان کے برعکس ہوں، جبکہ اللہ سبحانہ وتعالی امور کے حقائق اور نتائج کو جانتا ہے، ان کے خیر اور شر سے باخبر ہے، اس لیے اللہ کی شریعت کا اتباع فرض اور خیر ہی خیر ہے، ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ **"اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے"۔**

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ **"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کے اختتام کو پہنچیں"** یعنی اپنی عدت پوری کریں جس کا قرینہ ہے ﴿فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ **"ان کو مت روکو کہ وہ اپنے ان شوہروں سے نکاح کریں"** کیونکہ شوہر عدت کے دوران بغیر کسی ممانعت کے اپنی بیوی سے رجوع کرسکتا ہے اور یہاں لفظ (اعضال) ممانعت کے مفہوم میں ہے یعنی جب ان کی عدت مکمل ہو جائے۔ اس لفظ کا مصدر (عضل) کا معنی قید اور تنگ کرنا ہے، لہٰذا یہاں معنی یہ ہے کہ: جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ عدت پوری کریں تو ان کو ان شوہروں سے نکاح سے مت روکو جنہوں نے ان کو ایک یا دو طلاقیں دی تھی۔

﴿إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ "اور اگر وہ بھلائی سے باہمی طور پر رضامند ہو جائیں" یعنی اگر دوبارہ نکاح کے ذریعے نئے سرے سے ایک دوسرے کی طرف لوٹنے میں ان کو سچی رغبت ہو اور وہ اس رغبت کا اظہار کریں، بھلائی سے، یعنی اسلامی آداب کے حدود میں رہتے ہوئے۔

﴿ذَلِكُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ﴾ "یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزگی اور صفائی ہے" یعنی والیوں کی جانب سے مطلقہ کے اس کے سابق شوہر کے ساتھ نکاح کی حامی بھرنا بشرطیکہ وہ دونوں یہ چاہتے ہوں، یہ کام زیادہ برکت والا نفع بخش اور اور گناہ و شکوک سے دور ہے۔

بخاری نے اس آیت کریمہ کے نزول کے بارے میں روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ معقل بن یسار نے کہا:
كانت لي أخت فأتاني ابن عم لي فأنكحتها إياه فكانت عنده ما كانت، ثم طلقها تطليقة ولم يراجعها حتى انقضت العدة فهويها وهوته ثم خطبها مع الخطاب، فقلت له: يا لكع أكرمتك بها وزوجتكها فطلقتها ثم جئت تخطبها، والله لا ترجع إليك أبداً. وكان رجلاً لا بأس به وكانت المرأة تريد أن ترجع إليه فعلم الله حاجته إليها وحاجتها إلى بعلها فأنزل الله تعالى هذه الآية. قال: ففيَّ نزلت فكفرت عن يميني وأنكحتها إياه "میری ایک بہن تھی۔ میرا چچازاد بھائی میرے پاس آیا تو میں نے اپنی بہن کا نکاح اُس کے ساتھ کر دیا، پھر اُس نے میری بہن کو ایک طلاق رجعی دے دی اور عدت گزرنے تک اُس سے رجوع نہیں کیا۔ پھر مجھے کہا گیا کہ اس کی شادی کر دوں تو اس موقع پر میری بہن کے سابقہ شوہر نے پھر سے اُس کے لئے نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس پر میں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم میں کبھی اُس کا نکاح تم سے نہیں کرونگا۔ تب اللہ سبحانہ وتعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔ تب میں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور اپنی بہن کا نکاح دوبارہ اُس کے ساتھ کر دیا" [بخاری 4165، ترمذی: 2907، ابوداؤد:1878]۔

ایک اور روایت میں ہے کہ: فلما سمعها معقل قال: سمعا لربي وطاعة. ثم دعاه فقال: أزوجك وأكرمك "پس جب معقل نے یہ سنا تو کہا کہ میں نے اپنے رب کی بات سن لی اور اطاعت کی۔ پھر اس کو بلا کر کہا: میں تمہارا نکاح کرتا ہوں اور تمہارا احترام کرتا ہوں" (الدر المنثور 685/2)۔

اور یہ آیت اپنے مضمون میں عمومی ہے۔ اس میں وہ دونوں شامل ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور دیگر۔ اسی مناسبت سے، آیت اس معروف اصول کے مطابق ہے: (العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب) "سبق الفاظ کی عمومیت میں ہے، سبب کی خصوصیت میں نہیں"۔

فہرست

حسد کی مصیبت، اس کا ماخذ، اسباب اور علاج

مصعب عمیر- پاکستان

تعارف: مغربی تہذیب کے زیرِ اثر حسد کی افزائش

اس بات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ مغربی تہذیب جہاں بھی اپنا اثر رکھتی ہے، چاہے وہ مغربی دنیا ہو یا مسلم دنیا، وہاں سوشل میڈیا اور بڑی سطح پر اشتہار سازی سمیت چند ایسے ادارہ جاتی گروہ قائم ہو جاتے ہیں جو مادیت پسندی کی ایک ایسی فضا قائم کر دیتے ہیں جس میں لوگ حسد کرتے ہیں اور اپنی اشیاء کو ناکافی سمجھنے لگتے ہیں جس سے ان میں بے چینی، اداسیت اور غصہ جنم لینے لگتا ہے۔ اسی طرح، اساتذہ، ڈاکٹر اور والدین بھی اپنے آپ کو حسد کے اس بڑھتے ہوئے ماحول کے سامنے بے بس محسوس کرنے لگتے ہیں جو کہ نوجوان نسل کو بُری طرح متاثر کئے ہوئے ہے، کیونکہ وہ خود اس رقابت سے مشکل میں ہیں جو جوانوں میں حُسن، مقام، عہدہ، تعلیمی قابلیت اور مادی ملکیت کے حوالے سے ان میں پائی جاتی ہے۔

مغربی فلاسفر اور حساب دان، Bertrand Russell نے 1930 میں مغربی تہذیب کے غلبہ کے آغاز میں ہی اپنی تصنیف، "خوشیوں کی فتح- The Conquest of Happiness," میں خبردار کر دیا تھا کہ "عام انسانی فطرت کی تمام تر خصوصیات میں سے حسد سب سے زیادہ خطرناک ہے ... جو کوئی بھی انسانی خوشیوں کو بڑھانے کا خواہشمند ہو، اسے مزید تعریف اور حسد کو ختم کرنے کی خواہش ہونی چاہیئے"۔ 1930 سے ہی ہزاروں مغربی نفسیاتی مطالعہ جات، خصوصاً نوجوان نسل میں، حسد میں حد درجہ اضافہ ظاہر کر چکے ہیں۔ تاہم مغربی تہذیب اس کے آگے مجبور ہے کیونکہ وہ خود ہی انسانی خوشیوں کو بنیاد بنا کر افادیت پسندی (utilitarianism) کے اپنے عزم کے باعث بڑھتے ہوئے حسد کا موجب ہے۔

مغربی نظریہ افادیت پسندی(utilitarianism)خوشیوں کی نہیں بلکہ حسد کی بنیاد ہے

چرچ سے تلخ تجربوں کی بناپر، مذہب کی زندگی سے علیٰحدگی کے بعد مغرب نے زندگی کو فقط مفاد ہی سمجھ لیااور اعمال کے جانچنے کا معیار بھی افادیت پسندی کو طے کرلیا۔ مغربی فلاسفر، جان سٹورٹ مل John Stuart Mill اپنی تصنیف "Utilitarianism," میں لکھتاہے، "نیکی افادیت پسندی کے تصور پر پورا اترنے والی ایک شے ہے۔ نہ تواس کی شروع سے کوئی خواہش ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی محرک، طمانیت کے لئے سازگاری کا باعث ہے اور خاص طور پر تکالیف سے بچاؤ کے لئے"۔ بہرحال، مغربی دنیا کے ساتھ ساتھ، جہاں بھی افادیت پسندی کے مضبوط اثرات ہیں، وہاں نئی مشکلات سامنے آئی ہیں۔

افادیت پسندی زندگی کے بارے میں ایک مغربی نظریہ ہے جو کہ مادی مفادات، تسکین پرستی اور مادیت پرستی کو ہی خوشیوں کا معانی سمجھتاہے۔ افادیت پسندی ہی، دنیاوی مفادات کے حصول کی دوڑ میں رقابت کی وجہ سے، تیزی سے بڑھتے حسد کا موجب ہے چاہے یہ مفادات دولت، حُسن، تعلیم یا مرتبہ کی وجہ سے ہی ہوں۔ افادیت پسندی کے نظریہ کی پیروی کرنا، حسد، ناکامی، نااہلی، غصہ، احساسِ جرم، مایوسی، اور خود کو موردِالزام ٹھہرانے جیسے احساسات کو مزید فروغ دیتاہے۔ چونکہ مغربی نظریۂ افادیت پسندی خود ہی حسد کا موجب ہے لہٰذا حسد کا علاج مغربی تہذیب میں نہیں مل سکتا۔ نہ ہی حسد کا علاج مغربی طریقۂ فکر کی کسی بھی شاخ سے ڈُھونڈا جاسکتاہے، جیسا کہ مغربی نفسیات، نفسیاتی تجزیات اور نفسیاتی مسائل کے دائرے میں اخلاقیات اور انسانی رویوں سے متعلق مغرب کے نام نہاد بنیادی ماڈل وغیرہ، کیونکہ حسد کی جڑ ہی اصل میں افادیت پسندی ہے۔ چونکہ مغرب کا نفسیاتی طریقۂ علاج حسد کو مؤثر انداز میں حل کرنے سے قاصر ہے لہٰذا یہ انسان کو حسد سے جُڑے مشتعل جذبات کو قابو میں کرنے کے لئے ادویات پر انتہائی حد تک انحصار کرنے پر مجبور کردیتاہے چاہے وہ ادویات ڈپریشن دور کرنے والی anti-depressants ہوں یا بے چینی دور کرنے والی (anti-anxiety) anxiolytic ادویات ہوں۔

تاہم، مسلمان اساتذہ، والدین اور ڈاکٹروں کو گمراہی سے رہنمائی لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ دینِ اسلام اُن کے لئے ایک انمول خزانہ ہے جو اس سے سیکھتے ہیں۔ قرآنِ پاک اور سنتِ مبارکہ کی رہنمائی میں حسد کی بہت سی وجوہات کے ساتھ ساتھ اس کے مکمل علاج کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس وحیٔ الٰہی سے صدیوں تک حسد کے موضوع پر رہنمائی حاصل کی گئی جن کے ذرائع میں قرآنِ پاک کی تفسیر، شرح احادیث اور امراضِ قلب کے حوالے سے فقہ کی تصانیف شامل ہیں۔ یہ وہ زبردست اسلامی تہذیب ہی ہے جو کہ درست طریقے سے رہنمائی کرتی ہے کہ حسد کی وجوہات کیا ہیں، حاسد کو ہونے والے نقصانات کون سے ہیں، حسد کا گناہ کیا ہے اور وہ کون سے مثبت احساسات ہیں جن سے اس کو تبدیل کیا جانا چاہیئے۔

حسد کے اسباب

حسد کا مطلب یہ خواہش رکھنا ہے کہ دوسرے انسان کے پاس جو نعمتیں موجود ہیں، وہ اس سے چھن جائیں۔ اسلامی تہذیب، غرور، تعجب، رقابت، نفرت، احساسِ برتری اور دشمنی سمیت حسد کے مزید اسباب کی وضاحت کرتی ہے۔

جہاں تک تکبر کے ذریعے حسد کا تعلق ہے، حاسد شخص دوسرے شخص سے اپنے غرور کی بنا پر حسد کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا؛ ﴿**وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَـٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ - أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ**﴾ **"اور کہتے ہیں، یہ قرآن ان دو بستیوں کے کسی بڑے مرد پر کیوں نہ اُترا، کیا وہ تیرے رب کی رحمت بانٹتے ہیں"** (الزخرف: 32-31)۔ یہ غرور ہی ہے جو کہ اس سے اختلاف کی جانب لے جاتا ہے جس کو اللہ نے پہلے سے طے کر دیا ہو یا قسمت میں لکھ دیا ہو۔ یہ بہشت میں ہونے والا پہلا گناہ ہے جو ابلیس، شیطان، نے آدمؑ سے تب کیا جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ابلیس کو آدمؑ کو سجدہ کرنے کو کہا۔

جہاں تک تعجب کے ذریعے حسد کا ذکر ہے، یہ اس کا حسد ہے جو وسوسہ ڈالتا ہے کہ "وہ دوسرا شخص ہی کیوں اور میں کیوں نہیں؟" انبیاء کے انسانوں میں سے ہی ہونے پر کفار کے تعجب کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ **"کیا تم کو تعجب ہوا کہ تم کو تمہارے بیچ میں سے ایک مرد کے ہاتھ تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم بچو اور شاید تم پر رحم ہو"** (الاعراف: 63)۔ تعجب کے ذریعے حسد کا معاملہ ان کا ہے جو انبیاءؑ کا انکار کرتے ہیں۔ وہ انبیاءؑ کے انہی میں سے اُن جیسے انسان ہونے پر تعجب کرتے ہوئے اُن کے پیغام، وحیٔ الٰہی اور اللہ سے قُرب کی وجہ سے حسد کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ﴾ **"اور اس قوم کے سردار اپنے لوگوں سے بولے، جو منکر تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ان کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آرام دیا تھا۔ اور کچھ نہیں، یہ بس تم جیسا ایک آدمی ہے، جس طرح سے تم کھاتے ہو یہ کھاتا ہے اور جس طرح سے تم پیتے ہو، یہ پیتا ہے"** (المومنون: 33)

جہاں تک رقابت کے ذریعے حسد کا ذکر ہے، یہ تب ہوتا ہے جب دو یا دو سے زیادہ فریق ایک ہی مقصد کے لئے نبرد آزما ہوں۔ یہ مقابلہ میں حسد کرتے ہوئے، اپنے مقصد کے لئے دوسرے فریق کو نکال باہر کرنے کا حسد ہے۔ یہ کُرّہ ارض پر پہلا گناہ ہے جب قابیل نے ہابیل سے حسد کیا۔ یہ دو اشخاص کا حسد ہے جو ایک ہی عورت سے شادی کے لئے مدمقابل تھے۔ حسد ان دو بیویوں کے مابین کشمکش ہے جو ایک ہی شخص کے نکاح میں ہیں۔ یہ دو بھائیوں کے مابین، ماں باپ کے دل میں جگہ پانے کی کوشش میں ہونے والی برادرانہ رقابت ہے جو کہ حسد کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ ایک استاد کے دو طالبعلموں کے مابین عزت کے حصول کے لئے ہونے والا حسد ہے۔ یہ دو ڈاکٹروں کے مابین اپنی متعلقہ پریکٹس کے لئے زیادہ مریضوں کی کوشش کرنے کا حسد ہے۔ حتیٰ کہ یہ دو علماء کا حسد ہے کہ لوگوں میں سے ان کے پیروکار زیادہ ہوں بجائے اس کے کہ وہ صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔

پھر نفرت کے ذریعے ہونے والا حسد بھی ہے۔ جب کوئی دوسرے کے نقصان پر خوش ہو جائے اور خواہش کرے کہ ساری نعمتیں اور خوشیاں صرف اِسی کو مل جائیں۔ ایسے جیسے دوسرے کو ملنے والا مال اور نعمتیں اِس کے اپنے خزانوں سے ملی ہوں حالانکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہیں جو کہ عطا کرتے ہیں اور اُن کے عطا کرنے کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿**إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا** ﴾ **"اگر تم کو کچھ بھلائی ملے تو اُن کو بُری لگے اور اگر تم پر کچھ مصیبت پہنچے تو وہ اس سے خوش ہوں"** (آل عمران: 120)۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: « **لاَ تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لأَخِيكَ فَيَرْحَمُهُ اللَّهُ وَيَبْتَلِيكَ** » **"اپنے بھائی کے دُکھ پر خوشی مت مناؤ، شاید کہ اللہ اسے اس دکھ سے نجات دے دے اور تمہیں اس میں مبتلا کردے"** (ترمذی)۔ عثمانی خلافت کے ساتھ اپنے مضبوط تعلقات کے اظہار کے نتیجے میں، جرمن باشندوں نے Schadenfreude (جرمن زبان کا ایک لفظ) کے بارے میں بتایا، جس کی تعریف یہ تھی کہ یہ خوشی، فرح یا خود طمانیت کا تجربہ ہے جو کسی دوسرے کی پریشانیوں، ناکامیوں یا ذلت کے مشاہدہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

جہاں تک احساسِ برتری کا تعلق ہے، اس میں حاسد شخص دوسرے کی خوشحالی اور فلاح کو شدید ناپسند کرتا ہے جو اس کے ذہنی تناؤ کا باعث بنتی ہے۔ وہ یہ نہیں برداشت کر سکتا کہ جس سے وہ حسد کرتا ہے اسے کوئی مال و دولت، مرتبہ، اعزاز یا عزت ملے۔ یہ جبلّتِ بقا سے منسلک ہے جو غالب ہونے، بہتر ہونے اور احساسِ برتری کی خواہش سے ظاہر ہوتا ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں، التعزز وهو أن يثقل عليه أن يترفع عليه غيره فإذا أصاب بعض أمثاله ولاية أو علما أو مالا خاف أن يتكبر عليه وهو لا يطيق تكبره ولا تسمح نفسه باحتمال صلفه وتفاخره عليه وليس من غرضه أن يتكبر بل غرضه أن يدفع كبره فإنه قد رضي بمساواته مثلا ولكن لا يرضي بالترفع عليه "احساسِ برتری ہونا یہ ہے کہ کہیں کوئی دوسرا اس سے اُوپر نہ چلا جائے اور اِس کا مرتبہ نہ کم ہو جائے، اگر اس جیسا کوئی دوسرا شخص مال و مرتبہ اور علم میں مقابل آتا ہے تو اس کو ڈر لگنے لگتا ہے کہ کہیں وہ اس پر متکبر نہ ہو جائے۔ وہ دوسرے شخص کا تکبر برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ خود پر دوسرے کے تکبر کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کا مقصد خوش متکبر ہونا نہیں بلکہ اس کا مقصد

دوسرے کے تکبر کو توڑنا ہوتا ہے کیونکہ جیسے وہ دوسرے کے اپنے برابر ہونے پر تو مطمئن ہے لیکن وہ دوسرے کے اپنے سے برتر ہونے پر راضی نہیں ہے"۔

جہاں تک عداوت کا تعلق ہے، تو یہ ایسے شخص کی نفرت ہے جو یہ خواہش کرتا ہے کہ اس کے دشمن کے پاس مال و دولت نہ ہو اور جو بھی ہو وہ تباہ ہو جائے۔ اس میں مؤمنین سے عداوت کا بغض بھی شامل ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿ **وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ** ﴾ **"جب یہ تم سے ملاقات کرتے ہیں تو تمہارے سامنے تو ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں غصے کے مارے انگلیاں چباتے ہیں۔ کہہ دو کہ اپنے غصہ میں ہی مر جاؤ بے شک اللہ دلوں کے رازوں سے خوب واقف ہے"** (آل عمران: 119)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿ **وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ** ﴾ **"اہلِ کتاب میں سے بہت سوں کا اپنے نفس کے حسد کی وجہ سے دل چاہتا ہے کسی طرح تم کو ایمان سے پھیر کر کافر کر دیں، بعد اس کے کہ جب ان پر حق کھل چکا"** (البقرۃ: 109)۔

ایسے بھی لوگ موجود ہیں جو درج بالا کسی ایک وجہ سے حسد میں مبتلا ہیں اور ایسے بھی ہیں جن میں تمام وجوہات پائی جاتی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو خیر کے ساتھ محفوظ رکھے۔ آمین

حسد کے حوالے سے چند مفید باتیں اور مفید اعمال

حسد، دل کی ایک بیماری ہے جس کا علاج، اسلام کے شعور اور علم کے بغیر نہیں ہو سکتا اور یہ صرف ان اعمال کے برخلاف عمل کرنے سے ہی ممکن ہے، جن اعمال سے حسد کو تقویت ملتی ہے۔

مفید باتوں کے حوالے سے امام غزالی فرماتے ہیں، والعلم النافع لمرض الحسد هو أن تعرف تحقيقا أن الحسد ضرر عليك في الدنيا والدين وأنه لا ضرر فيه على المحسود في

الدنیا والدین بل ینتفع به فیهما ومهما "حسد کی بیماری کے حوالے سے نفع بخش علم یہ ہے کہ تمہیں پتہ ہو کہ حسد تمہارے لئے دنیاوی زندگی میں بھی اور دین میں بھی نقصان دہ ہے اور اس میں محسود (جس سے حسد کیا جائے) کا نہ تو دنیاوی زندگی میں اور نہ دین میں کچھ نقصان ہے، بلکہ وہ تو دونوں میں ہی نفع میں ہے"۔ در حقیقت، حسد کو ایسے ہی سمجھنا چاہئے جیسے یہ ہے اور اسے ایک دشمن اور متروکہ عمل کے طور پر سمجھنا چاہئے۔

ہمارے دین میں ہے کہ حسد نیک اعمال کو بالکل ویسے ہی کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ پاک ہے: «**إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ اَلْحَسَدَ يَأْكُلُ اَلْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ اَلنَّارُ اَلْحَطَبَ** » **"حسد سے خبردار رہو، کیونکہ حسد نیکی کو ویسے ہی کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے"** (ابوداؤد)۔ حسد ایک گناہ ہے اور اہلِ جنت اس سے آزاد ہیں جبکہ وہ جو جنت سے کوسوں دور ہیں وہ حسد میں مبتلا ہیں۔ شیطان مردود نے اپنے تکبر کی وجہ سے آدمؑ کے مرتبے پر حسد کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی فرمانبرداری سے انکار کر دیا تھا۔

حسد اس شخص کے لئے نقصان دہ ہے جو اس دنیاوی زندگی کے لئے حسد کرتا ہے اور اپنی زندگی کو افسوس، بے چینی، اداسی اور غم و غصہ سے بھر لیتا ہے۔ اس کے برعکس، محسود شخص (جس سے حسد کیا جائے) کو نہ تو اس دنیا میں کچھ نقصان ہوتا ہے اور نہ آخرت میں۔ امام غزالی بیان کرتے ہیں، فلا تزول النعمة عن المحسود بحسدك ولو لم تكن تؤمن بالبعث والحساب لكان مقتضى الفطنة إن كنت عاقلا أن تحذر من الحسد لما فيه من ألم القلب ومساءته مع عدم النفع فكيف وأنت عالم بما في الحسد من العذاب الشديد في الآخرة فما أعجب من العاقل كيف يتعرض لسخط الله تعالى من غير نفع يناله بل مع ضرر يحتمله وألم يقاسيه فيهلك دينه ودنياه من غير جدوى ولا فائدة "تمہارے حسد کی وجہ سے محسود سے نعمتیں ختم نہیں ہو جاتیں، اگر تمہیں آخرت میں دوبارہ اٹھائے جانے اور جزا و سزا پر ایمان نہیں ہے تو پھر یہ ذہن کے لئے ضروری ہے، اگر تم واقعی عقلمند ہو، کہ حسد سے خبردار رہو کیونکہ اس میں قلب کا مرض ہے، اس میں نقصان ہے اور کوئی نفع نہیں ہے۔ اور اگر تم آخرت میں

حسد کے شدید عذاب کو جان لو، تو اس میں کچھ عجب نہیں کہ حسد کرنے والا شخص اپنے آپ کو کچھ بھی نفع دیئے بغیر اللہ کے غضب کا حقدار ٹھہراتا ہے۔ بلکہ حسد تو وہ نقصان ہے جسے وہ برداشت کرتا ہے اور وہ تکلیف ہے جسے وہ جھیلتا ہے اور اس کی دنیا و آخرت بغیر کسی نفع کے ہلاکت میں پڑ جاتی ہیں"۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر انسان کی زندگی کے لئے اس کی دولت وملکیت معین کر دی ہیں اور اس کا رزق بھی صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہی معین کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ نے کچھ مخصوص حالات وواقعات بھی مقرر کئے ہیں جیسے قضاً، جن پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایسے معاملات پر حسد کرنا یقیناً بے سود ہے۔ ایسا حسد اس بات کو قبول نہ کرنے پر قائم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لوگوں میں مال و قابلیت کا کچھ حصہ بانٹ دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: **﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ﴾ "کیا وہ ان لوگوں سے حسد کرتے ہیں جنہیں اللہ نے اپنے فضل میں سے عطا کیا ہے"** (النساء: 54)۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ **«كاد الفقر أن يكون كفرا وكاد الحسد أن يغلب القدر» "غربت، کفر تک لے جاتی ہے اور حسد، قدر پر غالب آجاتا ہے"** (بیہقی، شعب الایمان)۔ یہ یقیناً بے سود ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس کے فیصلہ پر اختلاف کیا جائے۔

حتیٰ کہ اپنے نیک اعمال محسود کو ہدیہ کرتے ہوئے، حاسد شخص محسود کو آخرت کے انعامات سے نواز دیتا ہے۔ امام غزالی بیان کرتے ہیں، وأما أن المحسود ينتفع به في الدين والدنيا فواضح أما منفعته في الدين فهو أنه مظلوم من جهتك لا سيما إذا أخرجك الحسد إلى القول والفعل بالغيبة والقدح فيه وهتك ستره وذكر مساويه فهذه هدايا تهديها إليه أعني أنك بذلك تهدي إليه حسناتك حتى تلقاه يوم القيامة مفلسا محروما عن النعمة كما حرمت في الدنيا عن النعمة "اور جو کچھ محسود، حاسد سے اس دنیا اور آخرت میں نفع حاصل کرتا ہے سو وہ واضح ہے۔ اور جو کچھ منفعت اسے دین میں حاصل ہے تو وہ تمہاری وجہ سے مظلوم ہے خصوصاً جب تمہارا حسد تمہیں اس قول و فعل پر مجبور کرے کہ اس (محسود) کی غیبت، ہتک یا اس کے عیب ظاہر ہوں۔ یہ سب کرنے سے تم اپنے نیک

اعمال اس (محسود) کو ہدیہ کر دیتے ہو حتیٰ کہ تم اسے یومِ آخرت میں ایسے ہی نعمتوں سے مفلس و محروم کی طرح جاملو گے جیسے تم دنیا میں نعمتوں سے محروم تھے"۔

اور جو مفید اعمال کرنے کے لئے ہیں تو حاسد کو لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو مجبور کرے کہ وہ درست اعمال کرے تاکہ وہ حسد سے دور رہ سکے۔ امام غزالی بیان کرتے ہیں، وأما العمل النافع فيه فهو أن يحكم الحسد فكل ما يتقاضاه الحسد من قول وفعل فينبغي أن يكلف نفسه نقيضه فإن حمله الحسد على القدح في محسوده كلف لسانه المدح له والثناء عليه وإن حمله على التكبر عليه ألزم نفسه التواضع له والاعتذار إليه وإن بعثه على كف الإنعام عليه ألزم نفسه الزيادة في الإنعام عليه "حسد پر حکم کے حوالے سے نافع عمل یہ ہے کہ اپنے قول و فعل سے حسد پر غالب ہوا جائے۔ حاسد کو لازماً اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہئے تاکہ اگر حسد اس پر حملہ کرے اور محسود کی عیب جوئی کا احتمال ہو تو اس کی زبان لازمی محسود کی مدح سرائی اور تعریف کرے۔ اور اگر حسد اسے (حاسد کو) محسود کے بارے میں متکبر بنائے تو اسے لازمی محسود کے سامنے تواضع اور کسرِ نفسی سے کام لینا چاہئے اور اس سے معذرت کرنی چاہئے۔ اور اگر حسد اسے مجبور کرے کہ وہ اس کی حمایت اور طرفداری روک دے تو اسے لازمی اپنے نفس کی سرزنش کرنی چاہئے اور محسود کی مزید طرفداری کرنی چاہئے"۔

حسد کے حوالے سے احکاماتِ شریعہ

حسد کے معنی یہ امید کرنے کے ہیں کہ دوسرے شخص کو جو نعمتیں عطا کردہ ہیں وہ اس سے چھن جائیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿ **أَمْ يَحْسُدُونَ ٱلنَّاسَ عَلَىٰ مَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِ** ﴾ **"کیا وہ ان لوگوں سے حسد کرتے ہیں جنہیں اللہ نے اپنے فضل میں سے عطا کیا ہے"** (النساء: 54)۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، « **لاَ تَقَاطَعُوا وَلاَ تَدَابَرُوا وَلاَ تَبَاغَضُوا وَلاَ تَحَاسَدُوا وَكُونُوا إِخْوَانًا كَمَا أَمَرَكُمُ اللَّهُ** » **"نہ قطع تعلق کرو، نہ ایک دوسرے سے عداوت کرو اور نہ دوسروں کے لئے بغض رکھو، اور نہ کسی دوسرے**

کے حسد محسوس کرواور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ جیسے تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے" (مسلم)۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛« سِتَّةٌ يَدْخُلُونَ اَلنَّارَ قَبْلَ اَلْحِسَابِ بِسِتَّةٍ اَلْأُمَرَاءُ بِالْجَوْرِ وَ اَلْعَرَبُ بِالْعَصَبِيَّةِ وَ اَلدَّهَاقِينُ بِالْكِبْرِ وَ اَلتُّجَّارُ بِالْخِيَانَةِ وَ أَهْلُ اَلرُّسْتَاقِ بِالْجَهْلِ وَ اَلْعُلَمَاءُ بِالْحَسَدِ » "چھ لوگ ایسے ہیں جو حساب شروع ہونے سے بھی قبل صرف ایک گناہ کی وجہ سے، جہنم میں داخل کئے جائیں گے، ایک حاکم اپنے ظلم کی وجہ سے، صحرا کا ایک عرب اپنی قبائلی عصبیت کی وجہ سے، ایک امیر آدمی اپنے تکبر کی وجہ سے، ایک تاجر اپنی خیانت کی وجہ سے، ایک دیہاتی اپنی جہالت کی وجہ سے اور ایک عالم اپنے حسد کی وجہ سے"۔ عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے بہترین لوگ کون ہیں ؟آپ ﷺ نے فرمایا: **كُلُّ مَخْمُومِ الْقَلْبِ صَدُوقِ اللِّسَانِ "ہر دل کا مخلص اور زبان کا سچا شخص"۔** انہوں نے پوچھا: ہم زبان کی سچائی کو تو جانتے ہیں لیکن دل کا مخلص کیا ہے ؟آپ ﷺ نے فرمایا: **هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ لاَ إِثْمَ فِيهِ وَلاَ بَغْىَ وَلاَ غِلَّ وَلاَ حَسَدَ ،** "اللہ سے ڈرنے والا صاف شفاف دل، جو گناہوں، ظلم، نفرت اور حسد سے پاک ہو" (ابن ماجہ)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿ **وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ** ﴾ **"اور حاسدوں کے شر سے جب وہ حسد کریں"** (الفلق: 5)۔

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں اس آیتِ مبارکہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، والحسد مذموم، وصاحبه مغموم، وهو يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب... ويقال: الحسد أول ذنب عصي الله به في السماء، وأول ذنب عصي به في الأرض، فأما في السماء فحسد إبليس لآدم، وأما في الأرض فحسد قابيل لهابيل "اور حسد مذموم ہے، حاسد مغموم رہتا ہے اور حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے... اور کہا: حسد وہ پہلا گناہ ہے جس کی وجہ سے آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی، اور یہی وہ پہلا گناہ ہے جس کی وجہ سے کُرّہِ ارض پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی۔ اور جو آسمانوں میں ہوا، وہ ابلیس نے آدمؑ سے حسد کیا اور جو ارض پر ہوا، وہ قابیل نے ہابیل سے حسد کیا"۔

امام الحسین بن الفضل (وفات: 282 ہجری)، اسی آیتِ مبارکہ پر تبصرہ کرتے ہیں، إنَّ الله جمع الشرور في هذه الآية وختمها بالحسد ليعلم أنه أخسُّ الطبائع "بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیت میں تمام شر جمع کر دیئے اور ان پر حسد سے مہر لگا دی تاکہ معلوم ہو جائے کہ حسد فطرت کی نچلی ترین صفت ہے"۔

اسی آیتِ مبارکہ کے حوالے سے امام الرازی بیان کرتے ہیں، كما أنَّ الشيطان هو النهاية في الأشخاص المذمومة، ولهذا السبب ختم الله مجامع الشرور الإنسانية بالحسد، وهو قوله: وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ "شیطان سب سے مذموم ترین ہوتا ہے اور اس وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام انسانی شرور کو حسد میں یہ کہہ کر جمع کر دیا، اور حاسدوں کے شر سے جب وہ حسد کریں"۔

ابو منصور الثعلبی اسی آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں، وقيل: إنَّ هذه الآية تابعةٌ في المعنى لما تقدَّم من نَهْيِ اللهِ عزَّ وجلَّ عن متابعة أقوال اليهود في: رَاعِنَا [البقرة: 104] وغيره، وأنهم لا يودُّون أن ينزل على المؤمنين خيرٌ، ويودُّون أن يردوهم كفارًا من بعد ما تبيَّن لهم الحق، وهو نبوءة محمَّد صلَّى الله عليه وسلم "اور یہ کہا گیا: یہ آیت معانی میں اس سے مطابقت رکھتی ہے جو، یہود کے ان اقوال کے حوالے سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ممانعت کا پہلے ذکر ہو چکا ہے: رَاعِنَا [البقرة: 104] وغیرہ، اور یہ کہ وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ مؤمنین پر خیر نازل ہو، اور وہ چاہتے تھے کہ مؤمنین حق ظاہر ہو جانے کے بعد پھر کُفر کی طرف پلٹ جائیں۔ حق، محمد ﷺ کی نبوت ہے"۔

حنفی عثمانی امام، محمد ابو سعود آفندی Mehmed Ebüssuûd Efendi، اسی آیت پر بیان کرتے ہیں، مفيدة للانتقال من توبيخهم بما سبق إلى توبيخهم بالحسد الذي هو شرُّ الرذائل وأقبحها "یہ فائدہ مند ہے کہ ملامت سے انہیں سبق دیا جائے تاکہ حسد سے ان کی سرزنش ہو جو کہ سب سے قبیح اور رذیل شر ہے"۔

یقیناً یہ منع کیا گیا ہے کہ دوسروں کی نعمتیں چھن جانے کی اُمید کی جائے، جبکہ حسد دوسرے ممنوعہ اعمال کی طرف بھی لے جاتا ہے، جیسے غیبت کرنا، بدگوئی کرنا، جھوٹ بولنا، قطع تعلق کرنا، حقوق غصب کرنا اور حتیٰ کہ جسمانی نقصان تک پہنچانا بھی اس میں شامل ہے۔

حسد کو نیک اعمال کے حصول میں سبقت اور غبطہ سے تبدیل ہونا چاہئے

جہاں تک اس خواہش کا تعلق ہے کہ جو کچھ دوسرے کے پاس ہے وہ خود کے پاس بھی ہو تو یہ غبطہ ہے، اور یہ جائز ہے۔ لُغت میں غبطہ کے معنی ہیں، أَن يتمنى المرءُ مِثْلَ ما للمغبوط من النعمة من غير أَن يتمنَّى زوالَها عنه "کسی شخص کا ایسی ہی نعمت کے لئے خواہش کرنا جو دوسرے کو بھی عطا کی گئی ہو، اور یہ ایسی تمنا کے بغیر ہو کہ وہ نعمت دوسرے سے چھن جائے"۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، «**إنَّ المؤمنَ يغبطُ والمنافقَ يحسِدُ** » "**بے شک مومن غبط کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے**"(طبقات الشافعية الكبرى)۔ یہ مزید بہتری اور سبقت کی جانب ایک جستجو ہے۔

جہاں تک نیک اعمال میں ہمسری کا تعلق ہے تو اسلام، مسلمانوں کے مابین ایسی رقابت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿ **وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ** ﴾ "**رغبت کرنے والوں کو اسی کی رغبت کرنی چاہیے**"(المطففین:26)۔ اس میں، اسم اور فعل، تنافس (رغبت) کے مصدر ہیں۔ ان دو فریقوں کی مثال، دو خادموں کے جیسی ہے جو اپنے آقا کی خوشنودی کے لئے جستجو کرتے ہیں اور اس معاملہ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کا آقا عطا کرنے میں اتنا غنی ہے کہ کوئی بھی فریق محروم نہیں رہتا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، « **لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا** » "**دو طرح کے اشخاص کے سوا رشک کرنا جائز نہیں؛ ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اسے راہِ حق پر خرچ کرے اور دوسرا وہ شخص**

جسے اللہ نے حکمت ودانش سے نوازا ہو اور وہ اس کے ذریعے فیصلہ کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے" (بخاری)۔

ابو کبشہ الانماری سے مروی ہے، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ كَمَثَلِ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَعْمَلُ بِعِلْمِهِ فِي مَالِهِ يُنْفِقُهُ فِي حَقِّهِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ عِلْمًا وَلَمْ يُؤْتِهِ مَالًا فَهُوَ يَقُولُ لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ هَذَا عَمِلْتُ فِيهِ مِثْلَ الَّذِي يَعْمَلُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُمَا فِي الْأَجْرِ سَوَاءٌ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا وَلَمْ يُؤْتِهِ عِلْمًا فَهُوَ يَخْبِطُ فِي مَالِهِ يُنْفِقُهُ فِي غَيْرِ حَقِّهِ وَرَجُلٌ لَمْ يُؤْتِهِ اللَّهُ عِلْمًا وَلَا مَالًا فَهُوَ يَقُولُ لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ هَذَا عَمِلْتُ فِيهِ مِثْلَ الَّذِي يَعْمَلُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُمَا فِي الْوِزْرِ سَوَاءٌ "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اس امت کی مثال چار آدمیوں جیسی ہے، ایک وہ جسے اللہ نے علم و فضل سے نوازا پس وہ اپنے علم پر عمل کرتا ہے اور اپنے مال میں سے ویسے ہی خرچ کرتا ہے جیسے خرچ کرنے کا حق ہے؛ اور ایک وہ جسے اللہ نے علم عطا کیا لیکن مال نہیں دیا، پس وہ کہتا ہے: اگر مجھے مال دیا ہوتا تو میں بھی وہی کچھ کرتا جو اس پہلے آدمی نے کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ دونوں اجر میں برابر ہیں۔ اور پھر ایک وہ آدمی ہے جسے اللہ نے مال تو دیا مگر علم نہیں دیا پس وہ اپنی دولت ضائع کرتا ہے اور اسے بے مقصد طریقے سے خرچ کرتا ہے؛ اور ایک اور آدمی ہے جسے اللہ نے نہ تو مال دیا اور نہ علم دیا اور وہ کہتا ہے: اگر میرے پاس اس جتنا مال ہوتا، تو میں بھی وہی کرتا جو اس آدمی (تیسرا شخص) نے کیا"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ دونوں اپنے گناہ کے (بوجھ میں) برابر ہیں" (ابن ماجہ)۔

نتیجہ: یہ صرف خلافت ہی ہو گی جو افادیت پسندی کے عالمی اثرات اور اس کے مضر ثمرات، مثلاً حسد کا خاتمہ کرے گی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ (1) حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ "غفلت میں رکھا، تم کو بہتات کی حرص نے، حتیٰ کہ تم نے قبریں جا دیکھیں" (التکاثر: 2-1)۔

03 مارچ، 1924 بمطابق 28 رجب، 1342 ہجری کو خلافت کے خاتمہ کے بعد سے دنیا پر مغربی تہذیب اور اس کی مادی اقدار، مقاصد اور ضوابط کا بوجھ موجود ہے۔ مغربی تہذیب، اس عارضی دنیاوی زندگی کے لئے اپنے تنگ

نظریہ کے ساتھ انسانیت کے لئے شدید مصائب اور مشکلات لے کر آئی ہے۔ یہ نبوّت کے نقشِ قدم پر قائم خلافت ہی ہو گی جو کہ انسانیت کے لئے میڈیا، سوشل میڈیا اور تعلیم کو پاکیزہ رقابت کے جذبے سے استوار کرے گی اور جو کہ اللہ کی رضا میں سبقت لے جانے کی جستجو ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتوں کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ﴾ **"دوڑو اپنے رب کی مغفرت کے طرف اور اس بہشت کی جانب، جس کا پھیلاؤ ایسے ہے جیسے آسمان اور زمین کا پھیلاؤ، اور جو ان کے واسطے تیار رکھی ہے جو اللہ پر یقین لائے اور اس کے رسولوں پر"** (الحدید: 21)۔

فہرست

یہی وقت ہے کہ اسلامی خلافت مغرب کے ساتھ جاری تہذیبی تصادم کو ختم کر کے انسانیت پر سے ظلم کا خاتمہ کر دے (حصہ اول)

مناجی محمد، مراکش

بلاشبہ اسلامی ریاستِ خلافت کے لیے یہی موزوں ترین وقت ہے، تاکہ اس کے ذریعے وہ اُمت اقوامِ عالم کی قیادت وامامت سنبھال لے، جسے اللہ تعالیٰ نے بہترین اُمت بنایا اور جسے لوگوں کی نفع رسانی کے لئے نکالا گیا اور جس کے کندھوں پر دُنیا بھر کے انسانوں تک کلمۂ حق پہنچانے کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ اس کا عظیم دین ، انسانیت کی قیادت کے منصب پر فائز ہو اور اس سے پہلے کہ خستہ حال مغربی تہذیب، انسانیت کو اس گہری قبر میں دفنا کر جہنم رسید کر دے، جو اس نے انسانیت کے لیے کھودی ہوئی ہے، وہ دین انسانیت کے دُکھوں کا مداوا کرے۔ چنانچہ اُمت کے اندر فکری بیداری پیدا کرنا اور بڑے بڑے مسائل کو زیر بحث لانا اس فکری کش مکش میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور اللہ کی زمین میں اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے روشن فکر کے اسلحہ کے ساتھ سیاسی مقابلہ آرائی کے ذریعے کفر کا سر کچلنے میں اس کا بنیادی کردار ہے اور اسی طرح ہی انکارِ مذہب پر مبنی واہیات، قاتل وخستہ حال مغربی تہذیب کی بے راہ روی اور الحاد کے اثرات سے بچا جا سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ اہم ترین ذمہ داری بن جاتی ہے، جب لوگوں کی زندگیوں میں سوچنے کا عمل ناپید ہو چکا ہے ، اس حد تک کہ جس صورتحال سے ہمیں دوچار کیا جا رہا ہے، اور جن حالات کے مطابق ہم سے جینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، جابرانہ دورِ سلطانی اور گھٹیا انسانوں کی حکمرانی میں وہ حالات اب بالکل عیاں ہو چکے ہیں۔ سائیکس پیکو، ایکس لیبان ، اور ایویان کے معاہدوں کے تحت تشکیل شدہ قومی ریاستوں کے پنجروں میں امت کو قید کیا جا چکا ہے۔ کسمپرسی، بے لذتی، فکری پریشانی، مردود اور بے مقصد کاموں پر توجہ سب کے سب اس مطلوبہ صورتحال کے نتائج ہیں۔ اب اُمت

کی ثقافتی اور فکری مصروفیتیں کھانے پکانے کے انداز، گانے بجانے کی محفلوں، جسمانی ورزش کے نام سے رقص وسرود کے محافل سجانے اور قانونی نشہ کے اندر محصور ہو کر رہ گئی ہیں۔ جہاں تک بڑے مسائل کا تعلق ہے تو ان پر گفتگو کرنا، ان کو چھیڑنا اور اس حوالے سے عقل کو بروئے کار لانا ممنوع نہ سہی، تاہم لاحاصل ضرور خیال کیا جاتا ہے۔

فکرو نظر ہی قوموں کی زندگی کا راز ہے اور انسانوں کی اولین ایجادات کی تشکیل فکر سے ہی ہوئی، انسانی تاریخ میں بڑی بڑی گروہی وطبقاتی تبدیلیاں فکر کی بنیاد پر ہی جود میں آئیں۔ پس نظریہ ہی قوموں اور تہذیبوں کی اصل ہے ۔عیسائیت ایک نظریہ ہے جس نے عیسائی یورپ کو جنم دیا، یہودیت ایک نظریہ ہے جس کی کوکھ سے یہودی پیدا ہوئے ، بُدھ مت، ہندو مت، اور تاؤازم سب نظریات ہیں، جنہوں نے ایشیا، برصغیر پاک وہند اور چین میں بڑی بڑی قومیتوں کو جنم دیا۔ سرمایہ داریت بھی ایک فکر ہے، جس سے مغربی تہذیب پیدا ہوئی، اسی طرح اشتراکیت بھی ایک سوچ ہے ، جس سے اُس زمانے کے سوویت یونین اور مشرقی یورپ کا اتحاد تشکیل پایا۔

اسلام بھی ایک نظریہ ہے جس نے مسلم اُمت اور اسلامی تہذیب کو وجود بخشا۔ پس نظریہ ہی قوموں اور تہذیبوں کے لیے آبِ حیات اور ترقی کا مدار ہے اور ملکوں اور معاشروں کی تعمیر و ترقی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ لہٰذا ہم فکرو نظر کے ہی ایک پہلو کا جائزہ لیں گے جو انتہائی نازک پہلو ہے، اور ہم واضح کریں گے کہ قوموں اور لوگوں کی تاریخ میں یہ سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا ہے۔

تہذیب اور تصادم کی اصطلاحات کی وضاحت:

نظریات کے میدان میں اصطلاحات کا مفہوم متعین کرلینا ضروری ہے، تاکہ سمجھ میں نکھار پیدا ہو اور ایک اصطلاح جس واقع کی تعبیر بنتی ہے، اس کا صحیح ادراک کیا جاسکے۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ دورِ حاضر میں نظریات کے میدان میں رائج اصطلاحات سیاسی آمیزشوں، ابہام، عمومیت اور دھوکہ دہی کا شکار ہیں، جس کی وجہ سے ان اصطلاحات کے اصل مفہوم کو سمجھنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اس کے علاوہ انسانی مسائل سے متعلق فکری

موضوعات حقیقت کے متعلق نقطۂ نظر پر بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ اصطلاحات حتمی طور پر جانبدارانہ اور تعصب پر مبنی ہوتی ہیں، اور کسی مخصوص ثقافت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس لیے درست اور غلط دلائل سے واقفیت ان کے بارے میں درست اور غلط کا فیصلہ کرنے کے لیے اولین شرط ہے تاکہ اسکی فکری جڑیں اور جس حقیقت کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہے، اس پر اس کی تطبیق کا بخوبی ادراک ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ اصطلاحات سے متعلق اس طرح کی سمجھ اسطلاحات اور ان کے مفاہیم کے تعیین میں اولین فکری پڑاؤ کی حیثیت رکھتی ہے۔

آج جن اصطلاحات کو سمجھنا ہمارا موضوع ہے وہ حضارہ (تہذیب) اور تصادم ہیں۔ جہاں تک لفظ حضارہ (تہذیب) کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں صرف اتنی سی بات پر اکتفا کرنا کہ اس لفظ سے انسانی ذہن میں "معاشرے کی ترقی" کا مفہوم آتا ہے، اور اس سے یہی مراد ہے تو یہ ایک ناقص اور ادھوری سوچ تصور کیا جائے گا، کیونکہ اس میں باریک بینی مفقود ہے، فکری عمل ڈاکٹر کے ہاتھ میں تیز دھاری بلیڈ (blade) کی طرح ہے جس کی ذرا سی لغزش ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتی ہے۔

اسی طرح فقط لغوی معنی بھی درست مفہوم کو واضح نہیں کرتا، پس تہذیب جسے عربی زبان میں الحضارہ کہتے ہیں، یہ لفظ حاء کی زیر اور زبر دونوں طرح سے پڑھا جاتا ہے اور یہ لفظ حضر سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں عُمرانی مراکز یعنی شہروں کے رہنے والے۔ چنانچہ اس کا مطلب ہے؛ شہری رہن سہن۔ اور یہ دیہاتی زندگی کی ضد ہے، جیسا کہ ابن منظور آفریقی نے اپنی لغت "لسان العرب" میں ذکر کیا ہے۔ چونکہ لغوی مفہوم کی حد تک لفظ تہذیب کی معرفت ایک سرسری معرفت ہے، لہذا ہم الحضارہ لفظ کے بارے میں یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ اصطلاحی طور پر یہ کس حقیقت پر دلالت کرتا ہے۔

حضارۃ کا اصطلاحی معنی و مفہوم:

لفظ حضارہ (تہذیب) اٹھارویں صدی کے دوسرے نصف میں زبان زدِ عام اصطلاح(Conventional Terminology)کے طور پر متعارف ہوا۔ ویکٹر ڈی ریکٹی Victor de Riqueti, marquis de Mirabeau,وہ پہلا شخص ہے، جس نے 1756 میں اس لفظ کو اس کے فکری تصور کے ساتھ اپنی کتاب میں استعمال کیا، جو 1757ء میں چھپی تھی۔ اس کی کتاب کا نام ہے:

L’ami des hommes: ou, Traité de la population,” (“The “ Friend of Men: Or the Treatise on the population”),یہ کتاب فرانسیسی زبان میں لکھی گئی، اس کتاب میں وہ کہتا ہے: "بے شک مذہب انسانیت کی اولین اور سب سے کارآمد حد ہے، یہ تہذیب کی پہلی بہار ہے"۔ پھر اس اصطلاحی مفہوم کو مغربی مفکرین نے مزید وسیع معنوں میں استعمال کیا، بالآخر تہذیب کے مفہوم کے بارے میں مغربی مفکرین کے رجحانات اس کی تعریف کے حوالے سے دو راستوں پر چل پڑے اور اس لفظ کی تعریف میں دو الگ الگ فریق بن گئے:

پہلا فریق: جرمن مکتبہ فکر

جرمن مکاتبِ فکر کا خیال ہے کہ تہذیب ثقافت سے پیدا ہونے والے فکری مظاہر ہیں جس کی مثال: عادات ، رسم و رواج، عقائد، اقدار اور نظام میں ہیں۔ پس تہذیب کا زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر کے ساتھ بھرپور تعلق ہے، اس رائے کے حامی مثلاً رتناؤ (Walther Rathenau,)، پاؤل تھامس مین(Paul Thomas Mann)اور گراف وان کیسر لینگ(Hermann Alexander Graf von Keyserling)ہیں ۔ یہ مفکرین سائنس و ٹیکنالوجی کو تہذیب کا حصہ نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک تہذیب آداب، فنون، مذہب و اخلاقیات کا نام ہے، اسی لیے ان کے نزدیک تہذیب معاشرے کی گہری روح سے تعبیر ہے اور یہ کہ تہذیب کا مطلب ہے کہ ہم کیا ہیں نہ کہ ہم کیا استعمال کرتے ہیں۔

دوسرا فریق: برطانوی مکتب فکر

یہ تہذیب اور تمدن میں فرق نہیں کرتے، ان کے خیال میں تہذیب معاشرے کی فکری اور مادی نتائج کو کہتے ہیں۔ پس ان کے نزدیک تہذیب میں فنون، ثقافت سائنس اور عمرانیات، سب شامل ہے۔ اس رائے کے حامی البرٹ سفیسٹر کی زبانی کہتے ہیں: "تہذیب، فرد اور معاشرے کی روحانی اور مادی ترقی کا نام ہے"۔ مگر ان اختلافات کے ہوتے ہوئے مغربی مفکرین کے درمیان کچھ حد تک اتفاق بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ تہذیب ثقافت کی توسیع اور پھیلاؤ ہے، جو انسانوں کے نقطۂ نظر اور اقدار سے متاثر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر تہذیب، کسی قوم کے ہاں رائج اقدار، معیارات، طرزِ فکر اور طرزِ زندگی کا نام ہے۔

یوں عمومی مفہوم کے اعتبار سے تہذیب میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جو ایک قوم کو دوسری قوم سے عادات واطوار، رسم ورواج، طرزِ زندگی، مذہب، اقدار واخلاق، لٹریچر اور فنون کے اعتبار سے ممتاز کرتی ہیں۔ اسی لئے تہذیب زندگی کے بارے میں تصورات کے مجموعے کو کہتے ہیں جو کسی قوم کی طرز زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ چنانچہ انہی تصورات کی بدولت ان کے طرزِ حیات، اقدار، عادات واطوار، عقائد، روایات اور نظام تشکیل پاتے ہیں۔ سو یہ اپنی اصل فطرت میں خاص ہے۔ تبھی ہم یونانی تہذیب، فارسی تہذیب، مصری تہذیب، بابلی تہذیب، مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

تہذیب طرزِ زندگی ہے، یہ زندگی کا متعین اُسلوب اور ایسے تصورات کا نام ہے جو معیارات، مسلمات اور فیصلوں کی حد بندی کرتے ہیں۔ تہذیب کے مطابق ہی عرف وعادات تشکیل پاتے ہیں، یہی تصورات نظامہائے حیات اور مذہبی قوانین کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ہر تہذیب ایک دوسرے سے الگ اور منفرد ہوتی ہے، اسی لئے ہر تہذیب کی راہیں مختلف ہوتی ہیں بلکہ یہ باہم مقابلہ آراء رہتی اور کش مکش میں مصروف ہوتی ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ تہذیبوں کا باہمی تعلق مقابلے کا تعلق ہے، یہ مقابلہ جنگ کی صورت میں ہوتا ہے، مقابلہ تب سخت ہو جاتا ہے اور جنگ میں شدت آجاتی ہے جب کوئی تہذیب عالمی حیثیت اختیار کرلے کیونکہ اس کی وجہ سے پوری دنیا تصادم کا میدان بن جاتی ہے۔ کسی بھی تہذیب کا عالمی مقام، زندگی کے بارے میں اس کے تصورات پر منحصر ہے، نیز یہ کہ وہ تہذیب انسان ہونے کی حیثیت سے انسان کے لیے ہو، نہ کہ کسی خاص ماحول یا کسی قسم کے مخصوص تاریخی حالات کی پیداوار ہو۔

دنیا کی قیادت کرنا اور اسکی تہذیبی تشکیل ہر اس تہذیب کا ہدف ہے جسے عالمی حیثیت حاصل ہو یا وہ تہذیب اس کی دعویدار ہو۔ بنابریں تہذیبوں کے آپسی تعلق میں جنگ اصل ہے، اور یہی وجہ ہے کہ زندگی کے بارے میں تصورات، معیارات اور عقائد کا اختلاف کشمکش اور تنازعہ کی جڑ ہیں۔

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مشترکہ بود و باش کی دعوت بالکل ایک سطحی بات ہے، کیونکہ مشترکہ رہن سہن کسی ایک ہی نظریے کے تحت ہو سکتا ہے، یعنی ایک ہی تہذیب کے تحت، اور مل جل کر رہنے کا ضمنی طور پر مطلب ہے کہ ایک ہی تہذیب کے تحت اکٹھے ہو کر رہنا، اور مقابل تہذیب کو فنا کر کے ختم کردینے کے علاوہ یہ ممکن نہیں۔

ڈیوڈ روتھ کوپ David Rothkop جس نے کلنٹن انتظامیہ کے پہلے دور میں امریکی ڈیپارٹمنٹ آف کامرس میں خدمات انجام دیں، ایک مضمون In Praise of Cultural Imperialism? Effects of Globalization on Culture"" میں لکھتا ہے: "دوسری ثقافتوں کا سقوط ہی ہماری تہذیب کی طاقت کا عنصر ہے۔ چند ایسے تباہ کن ثقافتی عناصر موجود ہیں جو ہمارے لئے رکاوٹ ہیں اور جن کا مٹانا ضروری ہے، یہ عناصر مذہب، زبان، اور دیگر ثقافتوں کے سیاسی و فکری عقائد و نظریات ہیں۔ کچھ ایسے عناصر ہیں جن کی حمایت کرنا ضروری ہے؛ کھانا پکانے میں مہارت، موسیقی وغیرہ"۔ اس مضمون کو "فارن پالیسی" نامی جریدے نے 1997 کی گرمیوں میں شائع کیا۔ امریکی مستشرق برناڈ لوئیس اپنے ایک مضمون "The Roots of Muslim

Rage" میں لکھتا ہے: "جب دو تہذیبیں آپس میں ٹکراتی ہیں تو ایک دوسری پر یقیناً غالب آتی ہیں، کبھی کبھی دانشور اور مثالیت پسند افراد سامنے آتے ہیں اور بڑی روانی سے بات چیت کے لئے مجلس سجاتے ہیں کہ دونوں تہذیبوں کے اچھے پہلوؤں کو لیا جائے، لیکن عام طور پر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں تہذیبیں بدترین عناصر میں باہمی بقا کیلئے اُلجھ جاتی ہیں"۔ اس کا یہ مضمون ستمبر 1990 میں "دی اٹلانٹک" میگزین نے شائع کیا۔

تہذیبوں کے درمیان تصادم اور مقابلہ اپنی فطرت میں فکری ہے، کیونکہ تہذیب اپنی اولین حقیقت کے اعتبار سے ایک فکری نظام ہے جو زندگی کے ایسے تصورات کو ڈھالتا ہے، جو اس کو اپنانے والی قوم کی چھاپ اور پہچان بن جاتے ہیں۔ یہ فکری تصادم انسانی سوچ کی تجلیات کا سب سے بلند پہلو ہے، کیونکہ تہذیب حقائق کی جستجو کا نام ہے، جس کا آغاز وجود کی تشریح، وجود کی ابتدا، مقصد اور انجام سے ہوتا ہے، اور انتہاء، زندگی کے ان نظاموں کے ساتھ ہوتی ہے جنہیں موجودہ انسانوں کی زندگیوں میں پیش آنے والے مسائل کے عملی حل کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی پوری ترجمانی نظام معیشت، معاشرت، تعلیمی پالیسی، عدلیہ اور خارجہ تعلقات سے ہوتی ہے۔ اسی لئے جو لوگ تہذیبوں کے درمیان اختلافات کو مٹانا چاہتے ہیں، در حقیقت وہ انسانیت کے خائن اور منافق ہیں، کیونکہ اس کا مطلب تہذیبوں کی نظریاتی جڑوں کی تحقیق و تفتیش میں عقل و فکر کے استعمال کو مفلوج کرنا ہے۔ اسی تحقیق و تفتیش سے ہی ان تہذیبوں میں سے انسانوں کی بنائی باطل تہذیبوں کا رد اور انسانیت کی قیادت کی سب سے زیادہ مستحق تہذیب کا تعین ہوتا ہے اور اسی فکر کی بنیاد پر اس حق پر مبنی تہذیب پر عمل کی کوشش اور اسکی تبلیغ و ترویج کی ابتداء ہوتی ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ انسانیت کو مغربی طرز پر چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حق وہی ہے جو ہمارے رب ذوالجلال نے فرمایا: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَٰمِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَٰتٌ وَمَسَٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا ٱسْمُ ٱللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ ٱللَّهُ مَن يَنصُرُهُۥٓ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَقَوِىٌّ عَزِيزٌ﴾ **"اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں، کلیسا، یہودیوں کے معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کر دی جاتیں۔ اور اللہ تعالیٰ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے" (الحج: 40)۔**

اسی مناسبت سے تہذیبوں کا موضوع، ان کے عناصر اور ان کا اختلاف، کوئی ذہنی تفریح نہیں ہے، نہ ہی یہ کوئی علمی تحقیق ہے اور نہ ہی پڑھے لکھے لوگوں کی گپ شپ ہے، بلکہ یہ موضوع، مادہ اور تنازع وہ تصورات ہیں، جن کا بحیثیت انسان ہماری زندگیوں سے تعلق ہے۔ اس کی ابتدا، وجود کی ابتدا، ہدف اور انجام کے اعتبار سے تشریح سے ہوتی ہے۔ یہ عقائد ہیں، جو تصورات کی اعلیٰ ترین قسم اور تمام افکار کی بنیاد ہیں۔ اس کے بعد خیر و شر اور حسن و قبح کے وہ پیمانے ہیں جو ہماری اقدار اور نظام کو تشکیل دیتے ہیں، کیونکہ ہم اپنی زندگی کی اصل اور جوہر کے اعتبار سے انسان ہیں اور یہ تہذیب ہی ہے جس کو ہماری زندگیوں کی فکر ہوتی ہے اور اس کی باریک ترین تفصیلات میں مداخلت کرتی ہے، خواہ ہم ان امور کی طرف توجہ دیں یا نہ دیں۔

یہاں ہمارا موضوع عالمی سطح پر باہم برسرِ پیکار دو تہذیبیں ہیں، ایک تہذیب اپنے عالمی پیغام کے اعتبار سے عالمی حیثیت کی حامل ہے، یہ اسلامی تہذیب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَآ أَرۡسَلۡنَـٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَـٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعۡلَمُونَ﴾ **"اور ہم نے تمام لوگوں کے لیے آپ کو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"** (سبا: 28)۔ ﴿تَبَارَكَ ٱلَّذِي نَزَّلَ ٱلۡفُرۡقَانَ عَلَىٰ عَبۡدِهِۦ لِيَكُونَ لِلۡعَـٰلَمِينَ نَذِيرًا﴾ **"بڑی شان ہے اس ذات کی جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کا فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی، تاکہ وہ دنیا جہانوں کے لوگوں کو خبردار کردے"** (الفرقان: 1)۔ ﴿إِنۡ هُوَ إِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعَـٰلَمِينَ ٨٧ وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَأَهُۥ بَعۡدَ حِينِۭ﴾ **"یہ دنیا جہاں والوں کے لیے بس ایک نصیحت ہے۔ اور تھوڑے سے وقت کے بعد تمہیں ان کا حال معلوم ہو جائے گا"** (ص: 88-87)۔

اور دوسری تہذیب وہ ہے جو زندگی کے بارے میں اپنے تصورات کو عالمی بنانا چاہتی ہے اور وہ ہے مغربی یا سرمایہ دارانہ تہذیب۔ اس کو سرمایہ دارانہ تہذیب دراصل سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا جاتا ہے، جس سے یہ پیدا ہوئی۔ اور یہ جو ہم نے کہا کہ وہ اپنے تصورات کو عالمی حیثیت دینا چاہتی ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ اس خاص تہذیب کو عام اور علاقائی کو عالمی حیثیت دینے کی کوشش میں سرگرم ہے۔ یہ ایسی تہذیب ہے جو مخصوص

ماحول اورتاریخی حالات کی پیداوار ہے۔اس کو خاص کر یورپی انسانوں نے کلیسا اور بادشاہ کے ساتھ اپنے مسائل کے نتیجے میں پیدا کیا۔اس کی ترجمانی اسکی پہلی نظریاتی جڑ سے ہوتی ہے، جسے "چرچ اور بادشاہ کے درمیان جدائی" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مغرب میں اس کی مشہور تعریف یوں کی جاتی ہے: دینی اداروں (کلیسا) کو سیاسی اداروں (ریاست) سے الگ کرنا۔اس تصور میں ترقی ہوتے ہوتے بالآخر "زندگی اور ریاست سے دین کی جدائی" سے تعبیر کیا گیا۔ مثلاً: انسانی حقوق کا عالمی منشور جو 30 دفعات پر مشتمل ہے، جس کی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے دسمبر 1948 میں توثیق کی۔ اس سے قبل اس منشور کو اقوام متحدہ کے ممبر ممالک بھی تسلیم نہیں کرتے تھے۔اور جب یہ منشور عالمی تسلط حاصل کرنے کے لئے مغرب کی خارجہ پالیسی کا ذریعہ بن گیا تو اسکی عالمی حیثیت کا خواب پورا ہوا۔ اب جنگ ان دونوں تہذیبوں کے درمیان ہے اور ان دونوں کی حقیقت جاننا ضروری ہے تاکہ دونوں تہذیبوں یعنی اسلام اور اہل اسلام اور مغرب اور سرمایہ داریت کے درمیان جاری جنگ کی حقیقت معلوم ہو۔

سرمایہ دارانہ مغربی تہذیب کی اپنی نظریاتی اساس اور فکری جڑیں ہیں، جن سے زندگی کے بارے میں اس کے تصورات نکلتے ہیں؛ یہ فکری جڑیں زندگی کو مذہب سے کاٹ دینا ہے۔اور زندگی میں دین کی کسی بھی قسم کی مداخلت کا انکار کرنا ہے۔اسی کے نتیجے میں دین کی ریاست سے جدائی کی سوچ نکلی ہے، کیونکہ جو دین کو زندگی سے جدا کرے گا اور زندگی کے معاملات میں اس کے وجود کا انکار کرے گا، فطری طور پر اس کو اپنے ہر معاملے سے الگ کرے گا، اسی بنیاد پر مغربی زندگی اور اس کا نظام قائم ہو گا۔ مغرب کی سیاسی، معاشرتی اور فلسفی محاوروں میں زندگی کی دین سے جدائی (جسے عربی میں علمانية سے تعبیر کیا جاتا ہے) کے معنی کیا ہیں؟ برطانوی سیکولرسٹ، کوآپریٹر اور اخبار کے ایڈیٹر جارج جیکب ھولیوک (George Jacob Holyoake 13 April 1817 – 22 January 1906) نے 1851 میں سب سے پہلے "سیکولرازم" کی نظریاتی تعریف کی اور "English Secularism : A Confession of Belief" کے نام سے ایک کتاب لکھی، ان کے بقول: "مادی طریقوں کے ذریعے انسانوں کے حالات کی اصلاح کرنا، دین کو چھیڑے بغیر دین کو قبول کرنے یا اس کا انکار کرنے کی

بحث میں پڑے بغیر، غیر مذہبی طریقوں کے امکان پر ایمان لانا ہے،دین کی زندگی سے جدائی کانقطہ نظر بنیادی اور کلی نقطہ نظر ہے، جس سے علمی و اقداری نظام نکلتے ہیں۔ بس یہی مغربی نظریاتی عقیدہ اور اس کی تہذیبی اساس ہے۔ OEDآکسفورڈ انگلش ڈکشنری سیکولرزم کی تعریف یوں کرتی ہے:

"ایسا عقیدہ جو اس زندگی میں انسانیت کی بھلائی کے لیے اخلاق کو ضروری قرار دیتا ہے اور خدا پر ایمان یا دوسری زندگی کے حوالے سے تمام تصورات سے اپنے آپ کو کوسوں دور رکھتا ہے"۔ سوشل ڈکشنری میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے :"ایک مکمل نظام جو واضح مابعد الطبیعات (metaphysical) کا حامل اور کائنات کے بارے میں جامع نقطہ نظر رکھتا ہو"۔اور سیکولرزم زندگی کے درج ذیل مظاہر کے ذریعہ معاشرتی طور پر نمایاں ہوتا ہے۔

(1)۔۔ مذہب کو روکنا اور اس کو پسپا کرنا،(اس کے تمام عقائد ،رسم و رواج،اور نشانات) جبکہ مذہبی ادارے اپنا مقام اور اثر ورسوخ کھودیتے ہیں۔

(2)مذہب اور معاشرے کے درمیان علیحدگی۔

(3)روحانی مستقبل کی بجائے حال کی مادی زندگی پر توجہ مرکوز کرنا۔

(4)غیر مذہبی تنظیمیں مذہبی اعمال کا کردار انجام دیں۔

(5)انسان اور فطرت کی مادی تشریح سمیت، نظریہ تقدس کی عدم موجودگی۔

روحانیت سے جڑے معاشرے کی جگہ سیکولر مادیت پرست معاشرہ لے لیتا ہے،یعنی ہر منظر نامے کو خالص مادی پہلو سے دیکھنا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذہب کو زندگی سے الگ کرنے کا فلسفہ مادیت پرستی کے سوا کچھ نہیں۔

جہاں تک اس معیار اور پیمانے کی بات ہے جس کو تصورات، اقدار اور نقطہ نظر کے لیے بنیاد بنایا جاتا ہے، وہ خالص مادی منفعت ہے اور زندگی کو خالص مادی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جو اخلاقی و انسانی اور رب سے ملانے والی کسی بھی روحانی قدر سے خالی ہوتی ہے۔ اسی مادی نقطہ نظر کی بناپر، کوئی بھی فکری اقدار جو مادیت کے دائرہ کار سے خارج ہو، اس کے ہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ قانونِ اعلی مادیت کے قوانین سے نکلتا ہے، یعنی مادی اجسام سے متعلق طبیعیات کے قوانین اور مادی عناصر سے متعلق کیمیا کے قوانین۔ ان ہی کے ذریعے انسانی و سماجی رویوں کی تشریح کی جاتی ہے، چنانچہ انسانی زندگی کا مادی حاصل سوائے جمع و تقسیم اور معلومات کے کچھ نہیں۔ مادی منفعت اور لذت کی تکمیل و استعمال مادی بقاء اور خوشی کا راستہ ہے۔ اس بناپر خوشی کی مادی تشریح انسان کی جسمانی لذتوں اور ان کے اسباب یعنی لذت کی پیداوار اور کھپت کو لذت کے دائمی حصول کیلئے زیادہ سے زیادہ کرنا ہے۔ بالآخر زندگی کے تجزیے میں مغربی تہذیب کی انتہا ایک خالص مادی، منفعت پرست تہذیب پر ہوتی ہے جو ہر قسم کی روحانی، اخلاقی اور انسانی قدر و قیمت سے خالی ہے۔

دوسری جانب اسلامی تہذیب جس بنیاد پر ہے وہ مغربی اور سرمایہ دارانہ تہذیب کی اساس کے بالکل برعکس ہے، اور اس کا فلسفہ حیات مغربی فلسفہ حیات کے بالکل برخلاف ہے۔ اسلامی تہذیب میں خوشی کا مفہوم مغرب کے ہاں خوشی کے مفہوم کے بالکل الٹ ہے، کیونکہ اس کا نظریاتی بیج اور جڑ روحانی ہے اور خدا سے جڑی ہوئی ہے۔

اسلامی تہذیب ایمان کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے، یعنی قطعی و یقینی حجت کی بنیاد پر قائم محکم یقین، کہ انسان اور زندگی کا وجود ایک ایسے خالق کی تخلیق ہے جس نے اسے عدم سے وجود بخشا۔ اور اس نے اس کی خلقت کے اُمور کو ایک بہترین نظام سے منظم کر دیا ہے جس کے تحت مخلوق چل رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿بَدِيعُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۖ وَإِذَا قَضَىٰٓ أَمۡرٗا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ﴾ "آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اور جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے بارے میں بس اتنا کہتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے"(البقرۃ: 117)۔ ﴿إِنَّا كُلَّ شَيۡءٍ خَلَقۡنَٰهُ بِقَدَرٖ﴾ "ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کے ساتھ پیدا کیا ہے"(القمر: 49)۔ مزید فرمایا: ﴿أَمۡ خُلِقُواْ مِنۡ غَيۡرِ شَيۡءٍ أَمۡ هُمُ ٱلۡخَٰلِقُونَ ۔ أَمۡ خَلَقُواْ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ﴾ "کیا یہ لوگ بغیر کسی کے آپ سے آپ پیدا ہو گئے ہیں، یا یہ خود (اپنے) خالق ہیں؟ یا کیا آسمان اور زمین انہوں نے پیدا کیے ہیں؟ نہیں! بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے"(الطور: 36-35)۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت و رہنمائی اور پیغام رسانی کا یہ سلسلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر بند کر دیا۔ اور فرمایا ﴿وَإِن كُنتُمۡ فِي رَيۡبٖ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلَىٰ عَبۡدِنَا فَأۡتُواْ بِسُورَةٖ مِّن مِّثۡلِهِۦ وَٱدۡعُواْ شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ﴾ "اگر تم اس (قرآن) کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کیا ہے، تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بھی بلا لو"(البقرۃ: 23)۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب کی عمارت کی بنیاد اسلامی عقیدہ پر رکھی گئی ہے اور یہی اس کی فکری بنیاد ہے جس سے شرعی احکامات اور نظریاتی قیادت نکلتی ہے، جو زندگی کے بارے میں نقطہ نظر، طرزِ زندگی، اور سوچ، حالات اور واقعات پر فیصلہ دینے کے لیے مخصوص زاویہ نگاہ کا تعین کرتی ہے، یعنی اسلامی تہذیب اسلامی عقیدے کی بنیاد پر قائم ہے، وہی اس کی نظریاتی جڑ اور بنیاد ہے جس سے زندگی کے بارے میں تمام تصورات نکلتے ہیں۔ سو یہ جس اساس پر قائم ہے، وہ تعلق باللہ ہے، یہ تہذیب اس ایمان سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتی۔ اللہ کے ساتھ تعلق اس کی روح ہے، چنانچہ اللہ کے ساتھ تعلق کے بغیر اسلامی تہذیب کا کوئی وجود ہی نہیں۔ یہی اس کی جڑ اور فکری اساس ہے۔

لہذا اسلامی تہذیب میں زندگی کا تصور اور اعمال کا پیمانہ اسلامی عقیدہ سے نکلتا ہے اور وہ مسلمان کو اپنے تمام اعمال میں اللہ کے اوامر ونواہی کا پابند بناتا ہے، چنانچہ کسی بھی کام کو انجام دیتے وقت حلال وحرام کا دھیان رکھنا زندگی کا فلسفہ، طرزِ زندگی اور اعمال کا پیمانہ ہے، یعنی مطلق نفع اعمال کا پیمانہ نہیں، بلکہ حلال وحرام ہی اعمال کا پیمانہ ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا﴾ **"نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کر دیں"** (النساء: 65)۔

اس لیے مسلمان کے اعمال کبھی بھی اللہ کے ساتھ تعلق سے جدا نہیں ہوتے، علیحدگی کا کوئی سوال ہی نہیں، یعنی اسلام کو مسلمان کی زندگی سے الگ کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں، کیونکہ ایسا کرنا اللہ کی ناراضگی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کا موجب ہے، کیونکہ امور کی انجام دہی کے دوران حلال وحرام کی تمیز، یعنی اللہ تعالی کے اوامر ونواہی کی پابندی کرنے میں اللہ کے ساتھ تعلق کا مقصد، اللہ تعالی کی رضامندی ہے نہ کہ مطلق فائدے کا حصول۔ اسی بنا پر اسلامی تہذیب کے تصورات میں خوشی اللہ کی رضا اور جنت کا حصول ہے، جس کی چوڑائی زمین وآسمان کے برابر ہے، یہی مسلمان کی چاہت اور امیدوں کا مرکز ہے۔ اسلام میں خوشی کا تصور ایمان سے نکلا ہے، جس کی بنیاد یقین ہے اور قطعی طور پر دائمی سکون کا باعث ہے۔

خدا تعالی کا ارشاد ہے: ﴿فَمَنِ ٱتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ اَلَا بِذِكْرِ ٱللَّهِ تَطْمَئِنُّ ٱلْقُلُوبُ﴾ **"تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ کسی مشکل میں گرفتار ہوگا، سن لو! دل اللہ کے ذکر سے ہی سکون پاتے ہیں"** (الرعد: 28)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی تہذیب روحانی اساس پر قائم ہے جو مغربی تہذیب کی مادی بنیاد کی مکمل ضد ہے۔ یوں دونوں تہذیبوں کی جنگ حتمی ہے، اور اہل مغرب اس بات کو جانتے ہیں اور اس کے لئے کام بھی کر رہے ہیں۔

حتمی تہذیبی ٹکراؤ

کسی بھی عالمی چھاپ کی حامل تہذیب کی حرکت و بیداری ٹکراؤ کو حتمی بناتی ہے، کیونکہ اس کا ذاتی وجود انسانی زندگی کے لئے اپنے خاص مفہوم کی تعبیر ہوتا ہے۔ دینِ اسلام ان حقائق کی بات کرتا ہے، کیوں کہ انسانیت کو مخلوق پرستی کی گمراہی سے رب کائنات کی بندگی کی طرف نکال لانا اور من گھڑت مذاہب و عقائد کے ظلم و ستم سے نکال کر اسلام کے عدل و رحمت کے سایے تلے لانا اسلام کے اولین فرائض میں سے ہے، اور یہ ٹکراؤ مخلوق کے لیے اللہ کی سنت ہے، تاکہ حق کا کلمہ بلند ہو اور باطل رسوا ہو اور خدا کے نام کا بول بالا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ ٱلْأَرْضُ ﴾ "اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے کے ذریعے دفاع نہ کرے تو زمین میں فساد پھیل جائے" (البقرۃ: 251)۔ ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَٰمِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَٰتٌ وَمَسَٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا ٱسْمُ ٱللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ ٱللَّهُ مَن يَنصُرُهُۥٓ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴾ **"اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں، کلیسا، یہودیوں کے معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کردی جاتیں، اور اللہ تعالیٰ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے"** (الحج: 40)۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ﴾ **"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے، تم نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہو"** (آل عمران: 110)۔ اور ارشاد ربانی ہے: ﴿فَلَا تُطِعِ ٱلْكَٰفِرِينَ وَجَٰهِدْهُم بِهِۦ جِهَادًا كَبِيرًا ﴾ **"تم ان کافروں کا کہنا نہ مانو، اور اس (قرآن) کے ذریعے اُن کے خلاف پوری قوت سے جدوجہد کرنا"** (الفرقان: 52)۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: وجاھدھم بہ، کا معنی قرآن کے ساتھ جہاد

کرنا ہے۔ لہذا کشمکش حتمی ہے اور اہل مغرب کو اس کا ادراک بھی ہے اور وہ اس کے لیے عمل پیرا بھی ہیں۔ فرانسیسی مورخ فرنینڈ بروڈل اپنی کتاب (" “La Méditerranée et le Monde Méditerranéen à l'Epoque de Philippe II” (“The Mediterranean and the Mediterranean World in the Age of Philip II,”) میں تہذیبوں اور ان کے درمیان ٹکراؤ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کتاب کی دوسری جلد میں تہذیبوں اور معاشرتی ڈھانچوں پر بحث کرتے کرتے سولویں صدی کے بحر متوسط کی سیاست، سفارت اور جنگی طرزِ عمل تک کی تفصیل پیش کی ہے، جہاں بروڈل نے اپنے زمانے کی دو عظیم ریاستوں، کیتھولک اسپین اور مسلم ترکی کا تجزیہ کیا ہے۔ بروڈل کے مطابق لاطینی عیسائیت اور عثمانی اسلام کے درمیان جنگ جو 1571 میں لیپانٹو کے میدان میں لڑی گئی، منظر نامے کی فیصلہ کن سیاسی و ثقافتی حقیقت تھی۔ وہ اپنی کتاب کے ایک ذیلی عنوان "تہذیبیں انسانوں کی جنت اور جہنم" کے تحت لکھتا ہے: "بحر متوسط تین بڑی تہذیبوں، تین ثقافتی گروہوں اور عقیدے، سوچ، زندگی اور اخلاق کے حوالے سے تین اساسی طرزوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے، یہ گویا ایسی تین شخصیات میں مجسم ہو کر رہ گئی ہیں جن کی اقدار کی کوئی انتہا نہیں، جو کہ صدیوں سے قائم چلی آرہی ہیں اور اپنی حدود سے بھی آگے نکل چکی ہیں، بلکہ ان ملکوں کی حدود سے بھی آگے نکل چکی ہیں جو ان تہذیبوں کے لئے صرف ایک لباس کی مانند ہیں۔ ان میں سے پہلی تہذیب یورپی تہذیب ہے، اس کا لاطینی یا رومی ہونا زیادہ صحیح ہے۔ دوسری تہذیب اسلامی تہذیب ہے۔ مغرب اور اسلام کا گہرا اختلاف اور گہرا ٹکراؤ ہے جس کی بنیاد مقابلہ اور دشمنی ہے، یہ دونوں حقیقی اور مکمل دشمن ہیں..."۔

برطانوی مورخ آرنلڈ ٹائن بی نے "تہذیبوں کے تصادم" کے حوالے سے 1947 میں ایک لیکچر دیا، اور اس کے مندرجات کو اپنی کتاب “Civilization on Trial” (Oxford University Press 1948) میں بھی شامل کر دیا۔ تہذیبوں کا تصادم میں اس کے مطابق عالمی سرد جنگ کے بعد لوگوں کی ثقافتی اور مذہبی شناختیں ہی جنگ کی بنیادی وجوہات ہوں گی۔ سیموئل پی ہنٹنگٹن نے اسی کو بنیاد بنا کر 1992 میں امریکی انٹرپرائز انسٹیٹیوٹ میں ایک لیکچر دیا۔ جس کو 1993 میں "فارن افیئرز" جریدے نے ایک مضمون میں تبدیل

کر کے " The Clash Of Civilization "کے عنوان سے شائع کیا۔ ہنٹنگٹن نے بعد میں اپنے مقالے کو وسعت دیتے ہوئے 1996 میں "The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order." نامی اپنی کتاب میں شامل کر دیا۔ ہنٹنگٹن نے ہاورڈ یونیورسٹی میں نصف صدی سے زائد عرصے تک کام کیا، جہاں وہ ہارورڈز یونیورسٹی کے مرکز برائے عالمی امور کا ڈائریکٹر اور Albert J. Weatherhead III University کا پروفیسر تھا۔ امریکی صدر جمی کارٹر کے عہدِ صدارت میں وہائٹ ہاؤس میں نیشنل سیکورٹی کونسل کی سیکیورٹی منصوبہ بندی پر مامور تھا۔ اس کے مطابق "مستقبل میں جنگیں ملکوں کے درمیان نہیں بلکہ ثقافتوں کے درمیان لڑی جائیں گی"۔

بہر حال ٹائن بی کا خیال ہے کہ بیسویں صدی کا سب سے اہم اور بڑا حادثہ جس کے بارے میں تاریخ دان آنے والی صدیوں میں بہت زیادہ بات کریں گے، وہ مغربی تہذیب کا دنیا کی دوسری تہذیبوں کے ساتھ ٹکراؤ ہوگا، اور پہلا قدم دنیا کو مغربی تہذیب کے طریقہ کار کے تحت اکھٹا کرنے کی طرف اٹھایا جائے گا۔ اس کے راستے میں نہ کوئی فن ٹھہر سکے گا، نہ کوئی صنعت، معیشت یا سیاست ٹھہر سکے گی، لیکن سب سے بڑی رکاوٹ مذہب ہے۔ ٹائن بھی مذہب کو تہذیبوں کے قیام میں بنیادی عقیدہ اور اصل حوالہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اسی کے پیروکار سیموئیل ہنٹنگٹن کا بیان ہے کہ تہذیبوں کے درمیان فرق بنیادی ہیں۔ جن کا خلاصہ تاریخ، زبان اور ثقافت ہیں، لیکن ان میں سب سے اہم مذہب ہے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ جدید دنیا میں مذہب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اکثر و بیشتر مذہب ہی مرکزی تعلق بنتا ہے جو لوگوں کو متحرک بناتا ہے اور انہیں اکھٹا رکھتا ہے۔ اس طرح اس نے یہ خلاصہ پیش کیا ہے کہ ثقافتی اختلافات تبدیلی یا درمیانی حل کو قبول نہیں کرتے۔

اسی بنا پر عنقریب تہذیبوں کے درمیان ٹکراؤ واقع ہوگا۔ زمانہ حال میں جاری جنگ کو عظیم دینِ اسلام کی ولولہ انگیزی نے ہی مغرب پر مسلط کیا ہے، اس کے عظیم عقیدے کا بیج زوال نا آشنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بیج نے جلد ہی بیدار، وفادار، پرہیز گار اور کھرے لوگوں کی ایسی جماعت کو جنم دیا، جس نے اسلامی نظریہ کی ولولہ انگیزی اور رونق

بحال کر دی ہے۔ اور اس کی نظریاتی حقیقت، تہذیبی تصور اور انسانی زندگی میں اس کے قیام کے طریقے کار کو آشکارا کر دیا ہے۔ بلاشبہ انہوں نے کتابیں لکھ کر وہ سب کچھ واضح کر دیا ہے جو اسلامی زندگی کے دوبارہ قیام، اسلام کو ایک فکری قیادت اور انسانیت کے لیے تہذیبی متبادل کے طور پر پیش کرنے کے لیے ضروری تھا، جس نے انسانیت کے مسائل کا درست حل ڈھونڈنے کی بنیادیں فراہم کی ہیں۔

اس جماعت نے فکر اور طریقے کے لحاظ سے اسلام کے گہرے تصور اور حقیقت کی عمیق سمجھ کی روشنی میں اپنا مقصد متعین کیا، اور اپنی تحقیق کے راستے اور اپنے مشن کے مزاج کو واضح کیا۔ اس کے بعد یہ جماعت پوری بصیرت سے اپنے مقصد کے حصول کے لیے نظریاتی جنگ اور سیاسی جدوجہد میں کود پڑی۔ چنانچہ اس نے مغربی نظریہ بشمول اس کی دونوں شکلوں؛ سرمایہ داریت اور اشتراکیت کو چیلنج کیا، اس کی حقیقت کو بے نقاب کیا، اس کی بنیادوں کو ڈھا دیا، اس کے بطلان کو واضح کیا اور اس کے نظاموں کے فساد کا بھانڈا پھوڑ کے رکھ دیا۔ علاوہ ازیں اس نے مغرب کے سیاسی ہتھکنڈوں کو بے نقاب کر دیا اور اس کی استعماریت و بربریت کا پردہ فاش کر دیا۔ اور جیسے ہی اسلام کی بنیاد پر مسلم امت کے اندر بیداری کے آثار ظاہر ہونے لگے، مغرب غصے سے پاگل ہو گیا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک تہذیب جو رائج رہنے کے بعد مٹ چکی تھی اور اس کے سیاسی وجود یعنی خلافت کو منہدم کر کے اس کے نشانات کو ختم کر دیا تھا، وہ دوبارہ واپس آجائے؟ مغرب کو اس حقیقت کا بخوبی ادراک ہے کہ اسلام مغربی نظریے کو کچلنے اور ملیامیٹ کر دینے کی طاقت رکھتا ہے، اس کے باوجود کہ مسلم دنیا کی سیاست، معیشت، تعلیم، میڈیا، اعلیٰ حکام اور فوج پر اس کا کنٹرول ہے، بلکہ وہ اسلامی ممالک کے ہر معاملے میں مرضی کی پالیسیاں نافذ کرتا ہے۔ اور جس چیز نے مغرب کے پاگل پن اور المیہ کو مزید گہرا کیا وہ اس کا علمی بوداپن ہے جہاں تک مغرب کی فکر پہنچ چکی ہے، لہذا تہذیبی جنگ کا مادہ فکر ہے اور مغربی نظریہ کے بحران نے مغرب کو تہذیبی تصادم کے لیے درکار نظریاتی اسلحے سے خالی کر دیا ہے۔ نتیجتاً اپنی اسی نظریاتی بے بسی اور علمی بحران نے اسے اسلام کے ساتھ تہذیبی جنگ کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہنے دیا اور اپنے علمی اور فکری بحران کے

نتیجے میں وہ عظیم اسلام کے پیدا کردہ سوالات کے جوابات دینے کے بجائے ایک ایسے آلہ قتل میں تبدیل ہو گیا ہے جسے بقاء کی حرکت زندہ رکھے ہوئے ہیں وگرنہ اپنی موت آپ مر جانا ہی اس کا مقدر تھا۔

بین الاقوامی تعلقات کے ایک فرانسیسی ادارے (Institut français des relations internationales) نے 1987 میں "اسلام: بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے نئی طاقت" کے عنوان کے تحت ہونے والی ایک تحقیق کی سالانہ رپورٹ پیش کی جو اس کے بنیادی موضوعات میں سے ایک تھا۔ اس نے عالم اسلام میں اسلام کی واپسی کے نتائج اور بین الاقوامی تعلقات پر اثرات کا تجزیہ کیا۔ رپورٹ کہتی ہے کہ بڑے ممالک اس لہر کا نظریاتی سامنا کرنے سے قاصر ہیں جو ان کے خلاف اُٹھ رہی ہے اور اپنے اثر و رسوخ کے بل بوتے پر ترقی کے عزائم رکھتی ہے۔ رپورٹ میں اس کو بنیاد پرست اسلامی رجحان کہا گیا۔ **(جاری ہے۔۔۔)**

فہرست

کیا دیگر اقوام کا فکر و فلسفہ ماضی میں مسلمانوں کی سائنسی و علمی ترقی کا راز تھا

عثمان عادل- پاکستان

مسلمانوں کو زوال سے نکلنا چاہیے۔ یہ وہ خواہش ہے جس پر لبرل گروہ اور اسلامی تحریکیں دونوں متفق ہیں۔ تاہم دونوں میں فرق ان تصورات کا ہے جو اس خواہش کو جنم دیتے ہیں۔ لبرل گروہ کی فکر کا محرک مغرب کی چکا چوند سائنسی و مادی ترقی ہے، جو لبرل گروہ کے لیے ایک پیمانہ ہے۔ چونکہ مسلمان ممالک اس سے کہیں پیچھے ہیں پس اس مختصر مگر مؤثر لبرل گروہ کے نزدیک ضروری ہے کہ مسلمان زندگی کے میدانوں میں مغرب کی پیروی کرتے ہوئے ٹیکنالوجی اور سائنس کے میدان میں آگے بڑھیں اور اس کے لیے اپنی اقدار کو خیر باد کہہ کر مغرب کے تصورات اور نظام ہائے حیات کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ اسلام کے لیے سر گرمِ عمل افراد اور گروہوں کا امت کی صورتِ حال کو تبدیل کرنے کا محرک اس سے قدرے مختلف ہے۔ یہ لوگ یہ تصور رکھتے ہیں کہ یہ امت وہ آخری امت ہے کہ جو الہامی ہدایت کی پیروکار ہے، قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے جس نے حق کی طرف تا قیامت انسانیت کی رہنمائی کرنی ہے، پس امتِ مسلمہ ہی انسانیت کی فلاح و نجات کی واحد امید ہے۔ چنانچہ امتِ مسلمہ کو ہی انسانیت کی قیادت کرنی چاہیے تاکہ وہ اللہ کے نازل کردہ نور سے دنیا کو منور کرے، کفر اور ظلم کے اندھیروں کو دور کرے اور اللہ کی نازل کردہ شریعت کے ذریعے انسانیت کے مسائل کو حل کرے۔ یقیناً انسانیت کی یہ رہنمائی سرمایہ دارانہ ورلڈ آرڈر کی محکومی اور عالمی طاقتوں کے سامنے کمزوری کے مقام پر کھڑے ہو کر نہیں کہ جا سکتی، پس آج امتِ مسلمہ کو ہر وہ چیز حاصل کرنا ہوگی جو طاقت و قوت کا باعث ہے، اور سائنس و ٹیکنالوجی کا اس میں اہم کردار ہے، پس اس کا حصول آج مسلمانوں کی ضرورت ہے۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا کے اس دور نے مسلم معاشروں کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق، ریاستی نصاب میں بیان کردہ محدود اور مسخ معلومات، سے ہٹ کر کچھ جان سکیں، پس پچھلے کچھ

سالوں سے سوشل میڈیا پر ماضی میں مسلمانوں کی حیرت انگیز ترقی اور ایجادات کے متعلق بہت سا مواد گردش کر رہا ہے۔ یہ بات بھی مسلمانوں کے ذہن میں تازہ ہو چکی ہے کہ مسلمان اپنے دورِ خلافت میں ایک ہزار سے زائد عرصے کے لیے دنیا کی سپر پاور رہے ہیں۔ پس فطرتاً مسلمانوں کے اذہان میں یہ سوچ پیدا ہوتی ہے کہ آخر وہ کیا وجوہات تھیں کہ جنھوں نے اس ترقی اور ایجادات کو جنم دیا۔ کیا اس کی وجہ اسلام تھا، یا پھر اس کی وجہ یونانی فلسفہ تھا جیسا کہ کچھ مستشرقین اور ان سے متاثر مسلمان دعویٰ کرتے ہیں، کیا یہ ترقی اپنے بل بوتے پر تھی یا کسی اور کے مرہونِ منت تھی۔ پھر یہ سوال بھی کیا جاتا ہے کہ اگر مذہب ہی ترقی کی بنیاد ہے تو مغرب نے کیسے ترقی کر لی، جس نے یہ کام مذہب کا قلادہ اپنی گردن سے اتار کر کیا ہے، اور آج مغربی معاشروں کے مقابلے میں زیادہ مذہبی ہونے کے باوجود مسلمان فکری لحاظ سے پست اور جمود کا شکار کیوں ہیں؟! کیا اس پستی کی وجہ مسلمانوں کا اسلام سے مضبوطی سے جڑے رہنا ہے اور معاشرے اور ریاست کی سطح پر اسلام کے مضبوط کردار پر اصرار کرنا ہے؟ اس مضمون میں ہم ان سوالوں کے جوابات حاصل کریں گے۔

نویں صدی ہجری سے تیرہویں صدی عیسوی کا دور مسلمانوں کی سائنسی ترقی، علوم اور ایجادات کے عروج کا دور ہے، اگرچہ اس کے بعد بھی مسلمانوں میں بہت سے محقق اور سائنسی و فنی ماہرین پیدا ہوتے رہے۔ امرِ واقع یہ ہے کہ مسلمانوں میں واقعہ ہونے والے علمی و سائنسی انقلاب کا اسلام سے گہرا تعلق ہے۔ یہ اسلام ہی تھا کہ جس نے مسلمانوں کو فکری بلندی عطا کی اور مسلمانوں کو تخلیقی بنایا۔ اور پھر ہم نے دیکھا کہ عرب کے صحرا سے جنم لینے والی یہ تہذیب عالمی سطح پر جدت اور ترقی کی علامت بن گئی اور مسلمانوں کے علاقے علوم و فنون کا گہوارا بن گئے جبکہ اس وقت یورپ جہالت اور توہمات کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔ اسلام کی آئیڈیالوجی میں موجود وہ کیا عوامل تھے جو اس عظیم ترقی کا باعث بنے، آئیں ان پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

1) **<u>اسلام کا عقیدہ:</u>** اسلام جب اپنا آفاقی پیغام لے کر آیا تو اس وقت کائنات کے مختلف مظاہر کی پرستش عام تھی۔ مشرک، آتش پرست، ستارہ پرست، سورج پرست مختلف مخلوقات اور کائنات کے مختلف مظاہر کی

پرستش کرتے تھے۔ پرستش کا تعلق تعظیم سے ہے، انسان جس کی پرستش کرتا ہے اس کی تقدیس و تعظیم کے جذبات انسان کے اندر پیدا ہوتے ہیں نہ کہ اسے مسخر کرنے، اس پر قابو پانے اور اسے اپنے مطابق استعمال کرنے کے۔ اسلام نے مسلمانوں کو یہ سوچ دی کہ یہ تمام کائنات مخلوق ہے، کائنات کے مظاہر اللہ کی حقانیت کی دلیل ہیں مگر یہ تعظیم کے مستحق نہیں۔ تمام کائنات انسانیت کے استعمال اور برتنے کی چیز ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی دینی رکاوٹ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا: **وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ "اور زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے اسے تمہارے لیے مسخر کر دیا گیا ہے"** (الجاثیہ:12)۔ پس دیگر مذاہب کے برخلاف مسلمانوں کے لیے کائنات کی مختلف اشیاء کی ماہیت کو معلوم کرنا اور ان پر تجربات کرنا اسلام کے عین مطابق تھا۔

2) **مسلمان مختلف علوم کی دائرہ کار سے واقف تھے:** اسلام نے مسلمانوں کو دنیا اور زندگی کے امور کے متعلق درست طرزِ فکر عطا کیا۔ مسلمانوں کو یہ بات بالکل واضح تھی کہ دین کا مقصد خالق کے ساتھ انسان کے تعلق کو واضح کرنا اور انسان کے زندگی کے امور کی تنظیم کرنا ہے، سائنسی تھیوریاں دینا نہیں۔ پس حکومت، سیاست، معاشرت، معیشتی لین دین، جرم و سزا وغیرہ دین کے موضوعات ہیں، اور شرعی نصوص کا مقصد نہیں کہ انسان کو بتائے کہ زمین ساکن ہے یا متحرک، چپٹی ہے یا گول، چاند کی روشنی اپنی ہے یا کسی اور کی مرہون منت، معدنیات شروع سے اس زمین کا حصہ ہیں یا کسی اور سیارے سے وارد ہوئی ہیں۔ قرآن و سنت میں کائنات کے مختلف مظاہر کا بیان اس لیے نہیں ہے کہ اس سے سائنسی فارمولے دریافت کیے جائیں بلکہ اس لیے کہ اس خالق کی قدرت و طاقت کا ادراک حاصل ہو کہ جو تن تنہا پوری کائنات کا انتظام چلا رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کا سائنسی علوم و فنون کی طرف رویہ عیسائیت کے برعکس تھا۔ عیسائی علماء نے سائنسی علوم اور تھیوریوں کو بائبل کا حصہ بنا ڈالا۔ جبکہ سائنس اشیاء کی صفات اور خصوصیات کے متعلق ظنی علم دیتی ہے جس میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ پس جب وقت کے ساتھ وہ پرانی تھیوریاں غلط ثابت ہوئیں جنہیں چرچ نے مذہب کا حصہ بنا رکھا تھا، تو چرچ نے

لوگوں کو جدید سائنسی خیالات کے علم سے روکا اور سائنسدانوں کو بائبل کی تعلیمات سے مختلف سائنسی نتائج اخذ کرنے پر سخت سزائیں دیں، جس میں نمایاں مثال گلیلو گلیلی کی ہے، جبکہ دوسری طرف اسلامی تہذیب میں مسلمان خلفاء کی طرف سے سائنسدانوں کی پزیرائی کی جاتی تھی۔ انہیں انعام واکرام دیا جاتا تھا، ان کی کتابوں کو سونے اور چاندی میں تول کرانہیں انعام کے طور پر عطا کیا جاتا تھا۔

3) **علم فقہ اور شرعی اجتہاد کا سائنسی حقائق کے حصول پر اثر:** ایک اہم امر کہ جس نے مسلمانوں کے اندر اشیاءاوران کی ماہیت کو گہرائی سے جاننے کا مادہ پیدا کیا، وہ فقہ کا علم اور شرعی اجتہاد کا طریقہ ہے۔ مسلمان اپنے تمام مسائل کا حل کتاب وسنت سے اخذ کرتے تھے۔ زندگی کے امور کے متعلق نصوص سے حکم اخذ کرنے کے لیے اسلام نے مسلمانوں کو ایک مخصوص طریقہ عطا کیا۔ یہ طریقہ نہ تو یونانی منطق پر مبنی تھا اور نہ ہی قیاس آرائی اور بے دلیل مفروضے قائم کرنے پر۔ استنباط کا یہ طریقہ حقیقت کی گہری سمجھ اور اس کے مختلف پہلوؤں کے جائزے پر مبنی تھا، جسے فقہ کی زبان میں "تحقیق المناط" کہا جاتا ہے۔ ایک مجتہد حقیقت کا گہرا فہم حاصل کرنے کے بعد شرعی نصوص کی طرف رجوع کرتا ہے اور حقیقت کے متعلق براہِ راست حکم معلوم کرتا ہے اور حکم کو اخذ کرنے کے لیے منطقی طریقہ اختیار نہیں کرتا۔ مسلمانوں نے یہ سیکھا کہ کس طرح حقیقت کا ٹھیک فہم حاصل نہ کرنا اجتہاد کے عمل کو کمزور بنا دیتا ہے۔ یوں حقیقت کا گہرا مشاہدہ اور اس کی باریکیوں پر غور کرنا مسلمانوں کی عادتِ ثانیہ بن گیا اور اس عادت نے کائنات کے مختلف مظاہر کا بغور مشاہدہ کرنے اور نتائج اخذ کرنے میں بھی کردار ادا کیا۔

4) **مسلمان اس بات میں واضح تھے کہ دوسری اقوام سے ہم کیا لے سکتے ہیں اور کیا نہیں۔** مغرب کی ترقی اور مسلمانوں کے زوال کے بعد جو سب سے اہم سوال مسلمانوں کو درپیش رہا ہے اور اب بھی بعض لوگوں کے لیے اس کا جواب مبہم ہے، وہ یہ ہے کہ ہم مغرب سے کیا لے سکتے ہیں اور کیا نہیں۔ مغربی تہذیب اپنی مادی ترقی کے ساتھ دنیا کے نقشے پر نمودار ہوئی تو مسلم دنیا میں ایک طرف وہ لوگ تھے جو مغربی تہذیب سے مرعوب ہو گئے اور انہوں نے زندگی کے ہر میدان میں مغرب سے استفادہ کرنے کی بات کی اور مغربی افکار، نظام اور ثقافت ہر چیز اختیار

کرنے کو درست قرار دیا، جبکہ دوسری طرف وہ لوگ تھے جو سرے سے مغرب کی ہر چیز کا انکار کر رہے تھے، انہوں نے چھاپے خانے پر قرآن کو چھاپنے کے خلاف فتویٰ دیا، جب انسان نے چاند پر قدم رکھا تو انہوں نے اسے مذہب کے خلاف جرآت و جسارت قرار دیا، جبکہ دوسری طرف علماء ہی میں سے کچھ لوگوں نے مغربی جمہوریت کے جائز ہونے کے فتوے دیے اگرچہ جمہوریت انسان کی حاکمیت اعلیٰ کے تصور پر استوار ہے۔ مسلم معاشرے ان دو فریقوں کی بحث اور کشمکش کا اکھاڑا بن گئے اور مسلمان گومگو کا شکار ہونے کے باعث منجمد ہو کر رہ گئے۔ جبکہ اس کے برعکس اول دور کے مسلمانوں پر یہ واضح تھا کہ دوسری اقوام سے کیا حاصل کیا جاسکتا ہے اور کیا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی دوسری اقوام کے قانون اور نظام ہائے حیات کی طرف توجہ نہیں دی۔ جب مسلمانوں نے کفار کے علاقوں کو فتح کیا تو انہوں نے دوسری تہذیبوں کی قانون کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرنے میں کوئی دلچسپی لی۔ کیونکہ مسلمان یہ جانتے تھے کہ قانون اور نظام صرف وحی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے بلا جھجک دیگر اقوام کے انتظامی سیٹ اَپ اور سائنسی علوم و فنون سے فائدہ اٹھایا، انہیں عربی زبان میں منتقل کیا اور ان کا تنقیدی جائزہ لیا۔

5) **مقصدِ حیات کی واضح سمجھ اور اعلیٰ نصب العین کی موجودگی:** مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سمجھا تھا کہ بحیثیت امت، مسلمانوں کی ذمہ داری کیا ہے۔ مسلمان اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ وہ ایسی امت ہیں جسے پوری انسانیت کے لیے اٹھایا گیا ہے، تاکہ وہ انسانیت کو اسلام کے نور سے روشناس کرائیں۔ جب ایک قوم کے سامنے ایک واضح نصب العین ہوتا ہے اور وہ اس نظریے پر پختہ ایمان رکھتی ہے جو اس نصب العین کا تعین کرتا ہے، تو پھر وہ قوم اس نصب العین کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہو جاتی ہے، اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے اپنی صلاحیتوں میں اضافہ کرتی ہے۔ مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ مسلمان یہ جانتے کہ اسلام کی دعوت کا عملی طریقہ جہاد ہے کہ جس کے ذریعے قوت کو قوت سے زائل کیا جاتا ہے اور کفار پر اسلام کو نافذ کیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں کفار زندگی کے امور کو منظم کرنے میں اسلام کی صلاحیت اور کاملیت کا عملی طور پر مشاہدہ کرتے ہیں، اسلام کے دینِ فطرت ہونے کو محسوس کرتے ہیں اور یہ چیز ان کے مسلمان ہونے کا باعث بنتی ہے۔ پس

مسلمانوں نے ہر اس چیز کو ترقی دی کہ جو جہاد کو موثر انداز میں سر انجام دینے کے لیے درکار ہے۔ مسلمانوں نے تلوار سازی کے فن کو نئے عروج پر پہنچایا، اسلامی دور خلافت میں دمشقی سٹیل سے بنائی جانے والی تلوار کی مانگ پوری دنیا میں تھی، جو مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ لچک دار ہوتی تھی جس کی وجہ سے وہ جنگ کے دوران ٹوٹتی نہیں تھی، اسی طرح مسلمان کمان سازی میں جدت لے کر آئے اور ان کی تیار کردہ کمانیں اتنی تنی ہوتی تھیں کہ ان سے چھوڑے جانے والا تیر 1500 فٹ تک مار کرتا تھا۔ گن پاوڈر کی ایجاد سے قبل یہ کرۂ ارض پر پایا جانے والا سب سے موثر ہتھیار تھا۔ مسلمانوں نے ٹیکنالوجی استعمال کر کے ایسی منجنیقیں counterweight trebuchet ایجاد کیں جو 1000 فٹ کے فاصلے پر 500 پاونڈ کا پتھریلہ گولہ پھینک سکتی تھیں، جبکہ اس سے قبل یہ رینج 150 فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح مسلمانوں نے رومی علاقوں کو فتح کرنے کے لیے بحری بیڑا بنایا، گن پاؤڈر بنانے کی نئی ترکیبیں ایجاد کیں، قسطنطنیہ کی مضبوط دوہری فصیلوں کو تباہ کرنے کے لیے توپ کا بندوبست کیا۔ ٹیپو سلطان نے میزائل ٹیکنالوجی میں ترقی کی اور اسے انگریزوں کے خلاف میسور کی جنگ میں استعمال کیا جبکہ اس وقت برطانیہ اپنے جنگی راکٹ بنانے کی کوششوں میں ناکام ہو رہا تھا۔ اور پھر ٹیپو سلطان کی شکست کے بعد انگریز ان راکٹ میزائلوں کو برطانیہ لے گئے جہاں William congreve نے ان میزائلوں کو ریورس انجنیئرنگ کر کے Congreve missile تیار کیا۔

جنگوں میں ٹیکنالوجی کا استعمال نبی کریم ﷺ کی تربیت کے مطابق تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب طائف کا محاصرہ کیا اور طائف کے لوگ قلعہ بند ہو گئے تو مسلمانوں کو بکتر بند اور منجنیق کی ضرورت پڑی۔ عرب اس ٹیکنالوجی سے واقف نہ تھے اور یہ رومی ٹیکنالوجی تھی، مگر جہاد نے انہیں اس کو سیکھنے کی طرف ابھارا، پس مسلمانوں نے حضرت سلمان فارسی کے مشورے پر رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں بکتر بند تیار کی، گویا اسلامی ریاست کی طرف سے جنگ میں ٹیکنالوجی کے استعمال کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہی رکھ دی گئی تھی۔

6) **آباؤاجداد کی باتوں کو بغیر تحقیق کے مان لینے کی مذمت:** بلادلیل قائم آراء اور پہلے لوگوں کی باتوں کو بلادلیل تسلیم کرلینا علم کے فروغ اور ٹیکنالوجی کی جدت راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اسلام نے اپنی ابتداء میں ہی جس چیز کو چیلنج کیا وہ ایسے عقائد تھے جو قریش نے بلادلیل محض اپنے آباؤاجداد کی تقلید میں اختیار کر رکھے تھے۔ پس اسلام نے حقائق کو دلائل سے ثابت کرنے کو لازم کیا، عقیدہ کی بنیاد عقلی دلیل پر رکھی اور مسلمانوں کو سنی سنائی باتوں کو بلاتحقیق قبول کرلینا سے روکا۔ مسلمانوں کی اس تربیت نے انہیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بھی مدد دی، ورنہ وہ یونان اور روم وفارس کی کتابوں کے ترجموں اور ان میں موجود قدیم معلومات تک ہی محدود رہ جاتے۔

7) **اسلام کے احکامات اور علم حساب کی ضرورت۔** اسلام میں وراثت کے متعین احکامات ہیں، متعدد ورثاء کے حصوں کو قرآن نے خود بیان کر دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو علمِ وراثت سیکھنے کی تاکید کی ہے، ارشاد فرمایا: **"تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ ، تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ ، تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ ، فَإِنِّي امْرُؤٌ مَقْبُوضٌ ، وَالْعِلْمُ سَيُنْتَقَصُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتَّى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِي فَرِيضَةٍ لاَ يَجِدَانِ أَحَداً يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا۔" (سنن الدارمی ، كتاب المقدمة ، باب الاقتداء بالعلماء ، الرقم: ۲۲۷) "تم علم سیکھو اور لوگوں کو بھی علم سکھاؤ، تم علم میراث سیکھو اور لوگوں کو بھی یہ علم سیکھاؤ، تم قرآن سیکھو اور لوگوں کو بھی قرآن سکھاؤ، کیونکہ میں وفات پانے والا ہوں اور بلاشبہ عنقریب علم گھٹادیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے، یہاں تک کہ دو آدمی حصہ ٔمیراث کے بارے میں باہم اختلاف کریں گے اور کوئی ایسا شخص نہیں پائیں گے جو ان کے درمیان فیصلہ کر سکے"**۔ وراثت کے احکامات کے مطابق مال کی ٹھیک ٹھیک تقسیم اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ علمِ حساب سے واقفیت حاصل کی جائے۔ پس مسلمان علمِ حساب سیکھتے تھے اور مدارس میں ان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ جب خوارزمی نے الجبراء ایجاد کیا تو اسے وراثت کے حساب کتاب کے لیے بھی استعمال کیا گیا۔

8) **اسلام کے احکامات اور علم فلکیات کی ضرورت:** اسلام میں صلوٰۃ کے احکامات کا تعلق سورج کی پوزیشن سے ہے جبکہ رمضان، حج اور عیدین کا تعین چاند کی گردش سے ہے، اسی طرح نماز ادا کرنے کے قبلہ کی ٹھیک سمت کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ سال بھر نمازوں کے ٹھیک ٹھیک اوقات اسی وقت معلوم کئے جا سکتے ہیں جب سورج کی گردش کا درست فہم حاصل ہو، اسی طرح چاند کی حالتوں کا علم اسلامی کیلنڈر کو عملی بنانے اور روزہ و حج جیسی اہم عبادات کے ایّام کے درست تعین کے لیے درکار ہے۔ علم فلکیات میں ترقی نے مسلمانوں کو اپنے فرائض کو پورا کرنے میں مدد فراہم کی۔ مسلمانوں نے فلکیات کے متعلق کئی غلط نظریات کی تصحیح کی اور نئے فلکیاتی جدول ترتیب دیے جن کے ذریعے آسمان پر اجرام فلکی کی پوزیشن، چاند کی منازل، سورج گرہن، چاند گرہن، موسموں کے اوقات، طول بلد عرض بلد، طلوع آفتاب، غروب آفتاب کے اوقات، سیاروں کے روزانہ اور ماہانہ محل وقوع، اسلامی مہینوں کے آغاز کی تاریخ معلوم کی جاسکتی تھی۔

9) **اسلام کے احکامات اور طبّی ایجادات:** اگرچہ اسلام نے اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ بیماری کا آنا بھی دیگر مصیبتوں کی طرح قضاء یعنی اللہ کا طے کردہ امر ہے، تاہم اسلام مسلمانوں کو تقدیر پرستی (fatalism) کی سوچ سے خبردار کرتا ہے، کہ ایک شخص اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دے اور بے عملی کی راہ اختیار کرلے۔ رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر مسلمانوں کو علاج کرانے اور علاج کا کھوج لگانے کی تلقین کی ہے اور اسے اجر و ثواب کا عمل قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **تَدَاوَوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلاَّ وَضَعَ لَهُ دَوَاءً غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ الْهَرَمُ "علاج کرو اس لیے کہ اللہ نے ایسی کوئی بیماری پیدا نہیں کی ہے کہ جس کی دوا پیدا نہ کی ہو، سوائے ایک بیماری کے، اور وہ بڑھاپا ہے"** (ابوداؤد)۔ اسی طرح ارشاد فرمایا: **إِنَّ اللّٰه لم ينزل داء إلّا أنزل شِفَاءً، عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ "اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اُتاری سوائے اس کے کہ اس نے اس کا علاج بھی نازل کیا، جو اسے جانتا ہے، اسے جانتا ہے اور جو اس سے لاعلم ہے، وہ اس سے لاعلم ہے۔"** (نسائی، ابن ماجہ، حاکم اور ابن حبان)۔ پس مسلمانوں نے دورِ خلافت میں سینکڑوں جڑی بوٹیوں کو

علاج کے لیے دریافت کیا، بغداد، قاہرہ، قیروان اور دیگر شہروں میں ہسپتال قائم کیے جہاں مریضوں کو داخل کر کے ان کا علاج کیا جاتا ہے۔ طب پر متعدد کتب تحریر کیں، جن میں سے ایک سرجری کے متعلق ابوالقاسم زہراوی کی کتاب التصریف ہے جو پانچ سو سال تک یورپ کے شہروں میں سرجری کی ٹیکسٹ بک کے طور پر پڑھائی جاتی رہی۔

10) **احسان کا تصور:** رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **إن الله كتب الإحسان على كل شيء فإذا قتلتم فأحسنوا القِتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذِّبحة "اللہ نے ہر چیز میں احسان کو لکھ دیا ہے، پس جب تم قتل کرو تو احسن طریقے سے قتل کرو، اور جب تم ذبح کرو احسن طریقے سے ذبح کرو"** (مسلم)۔ احسان کے معنی ہیں کسی چیز کا کمال تک پہنچنا۔ پس یہ اسلام کی تعلیمات میں سے ہے کہ امور کو احسن طریقے سے سرانجام دیا جائے، معاملات میں کمال اور پرفیکشن حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور یہی معاملہ ہم اسلام دورِ خلافت میں مختلف علوم اور سائنس و ٹیکنالوجی میں دیکھا۔ مسلمانوں نے جس شعبے کو پکڑا اسے کمال تک پہنچا دیا، خواہ یہ جنگی مہارت ہو یا قانون دانی، زبان دانی ہو یا امورِ سلطنت، معاشی خوشحالی ہو یا زرعی پیداوار، فن تعمیر ہو یا نفاست و ستھرائی، مسلمان اُس دور کی باقی تمام اقوام سے آگے اور برتر تھے۔ یہی حال طب، فلکیات، کیمیاء، انجنیئرنگ، طبعیات اور جغرافیہ جیسے سائنسی علوم کا تھا جن میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔

11) **تعمیرات اور انجنیئرنگ میں اسلام کا کردار:** آج سرمایہ دارانہ تہذیب کے عروج کے اس دور کی تعمیرات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، شاپنگ مالز، سیر و تفریح کے مراکز، لگژری ہوٹلز اور پرفامنگ تھیٹرز اس مادہ پرست تہذیب کے فن تعمیر کی پہچان ہیں۔ اسلامی تہذیب کے دور کی نمایاں تعمیرات عظیم الشان مساجد، قلعے اور عوامی سہولیات کی جگہیں تھیں۔ ان سب کا تعلق اسلام کے احکامات کے نفاذ سے ہے۔ مساجد مسلمانوں کے عبادت خانے ہیں، قلعے جہاد کی ضرورت ہوا کرتے تھے، جبکہ حمام، بازار، ہسپتال، سکول، یونیورسٹیاں، لائبریریاں، سفر کے راستوں میں سرائیں، عوامی سہولیات کی جگہیں ہیں جن کی فراہمی اسلام کے رُو سے حکمران کی ذمہ داری ہے۔ اس میں سے کچھ کے آثار ہمیں برصغیر میں بھی نظر آتے ہیں۔ یہ تعمیرات اس دور میں مسلمانوں کے فن تعمیر اور

انجئیرنگ کے مختلف شعبوں سے مسلمانوں کی واقفیت کی غمازی کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے علاقے اس دور میں دنیا کے خوشحال ترین علاقے تھے۔ پس مسلمانوں نے عمارت سازی کی صنعت پر توجہ دی، اس میں جدت پیدا کی، ریاضی اور کیمیاء کے علوم کو استعمال کر کے اسے ترقی دی اور عظیم الشان عمارتیں تعمیر کیں۔

12) **ریاست کی طرف سے علم کی سرپرستی:** اسلامی ریاست منگولوں کی قائم کردہ ریاست کی مانند نہ تھی کہ جو علوم وفنون کی دشمن تھی، جس نے علم کے سرمائے کو بے دریغ ضائع کیا، کتابوں کو دریا برد کیا اور single land mass لحاظ سے دنیا کی یہ سب سے بڑی ایمپائر انسانیت کو کوئی علم وفن دیے بغیر دنیا کے نقشے سے ختم ہو گئی۔ اسلامی ریاستِ خلافت کے خلفاء خود بھی فقہاء اور حکماء ہوا کرتے تھے اور اپنے گرد ایسے لوگوں کو جگہ دیتے تھے جو علوم وفنون کے ماہر ہوتے تھے۔ خلیفہ مامون کی علم کی پیاس کا یہ عالم تھا کہ جب روم کے بادشاہ کے درمیان صلح کے لیے خط وکتابت ہوئی، تو صلح کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ روم کا بادشاہ روم کی لائبریری میں جو کتابیں ہیں انہیں ترجمہ کرنے کی اجازت دے گا اور اس کے لیے مترجم وہ ہوں گے جنہیں مامون بھیجے گا۔ ان نے بغداد میں دو لاکھ دینار کی لاگت سے بیت الحکمہ قائم کیا جس میں ایک لائبریری، رصدگاہ، سائنس دانوں کے ٹھہرنے کے لیے قیام گاہیں، سائنسی ساز وسامان اور دارالترجمہ موجود تھا۔ ہر رنگ ونسل اور مذہب کے شخص کو یہاں ریسرچ کی اجازت تھی، اور ہر ہفتے بیت الحکمہ میں علمی نشست منعقد ہوتی تھی۔ مسلمان حکمرانوں کی علم کی سرپرستی کے درجنوں واقعات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں، مگر ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

13) **مختلف الانواع علاقوں کا ایک ہی ریاست تلے جمع ہو جانا:** اسلامی ریاست کی حدیں چین سے لے کر مراکش تک پھیلی ہوئیں تھیں۔ اس میں ہندوستان، فارس، وسط ایشیاء، عربی و رومی علاقے شامل تھے۔ یہ سب مختلف تہذیبیں تھی، ان تہذیبوں کے حامل علاقوں کے ایک ہی ریاست تلے جمع ہو جانے سے ان علاقوں میں موجود علوم وفنون کا ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل ہونا سہل اور تیز ہو گیا۔ جس نے مسلم علاقوں میں موجود علمی ماحول کو مزید توانا کر دیا۔

مسلمانوں نے نہ صرف ان تمام مختلف الانواع علاقوں کو آپس میں مربوط کر دیا بلکہ ان کی زبان کو بھی ایک کر دیا۔ مسلمان جب کسی علاقے کو فتح کرتے تھے تو اس علاقے میں اسلام قبول کرنے والے لوگوں کو قرآن وسنت کے احکامات کے ساتھ ساتھ عربی زبان بھی سکھاتے تھے، ریاست کی سرکاری زبان بھی عربی ہوا کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عربی جو رسول اللہ ﷺ کے دور میں صرف جزیرہ نما عرب کی زبان تھی، آج افریقہ کے مغربی کنارے تک 22 ممالک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس وسیع و عریض خطے میں جو تین براعظموں کے سنگم پر واقع ہے، زبان کے ایک ہو جانے نے ایک علاقے کے علوم کی دوسرے علاقے میں منتقلی اور مختلف علاقے کے لوگوں کے ایک دوسرے سے رابطے وتبادلہ خیال کو سہل اور برق رفتار بنا دیا۔ پس کسی بھی مسلمان ماہر علوم یا سائنسدان کی تصانیف سے دیگر علاقے کے لوگ اپنی علمی پیاس بجھا سکتے تھے اور ان علوم میں مزید اضافہ اور نکھار پیدا کر سکتے تھے۔

14) **مسلمانوں سے پہلے موجود فلسفہ وفکر کے چیلنج نے مسلمانوں کی فکر میں نکھار پیدا کیا:** مسلمانوں نے جب رومی علاقے فتح کیے تو ان میں یونانی فلسفہ پھیلا ہوا تھا۔ یونانی فلسفہ منطقی طرزِ استدلال اور مشاہدہ و تجربہ کی بجائے محض مفروضوں اور قیاس آرائیوں پر مشتمل تھا۔ جیسا کہ کچھ یونانی فلسفی یہ اعتقاد رکھتے تھے پانی کائنات کا جوہرِ اصلی ہے، کچھ یہ سمجھتے تھے کہ کائنات چار عناصر سے ترتیب پائی ہے پانی، آگ، مٹی اور ہوا۔ یہ اسلام کے طرزِ فکر سے مختلف تھا جو کہ حقیقت کو جاننے اور اس کے لیے ثبوت مرتب کرنے پر مشتمل تھا۔ چونکہ اسلام نے مسلمانوں میں یہ سوچ پروان چڑھائی کہ کسی بھی دعوے کی دلیل ہونی چاہیئے، مسلمان عقائد کو بھی دلیل کی بناء پر اختیار کرتے تھے اور احکام شرعیہ کو بھی دلائل سے ثابت کرتے تھے۔ محض ذہنی تخیل کو بذات خود دلیل کے طور اختیار کرنا مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں تھا۔ یہی طرزِ فکر مسلمانوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں بھی اختیار کیا۔ پس جابر بن حیان اور زہراوی جیسے سائنسدانوں نے مشاہدات اور تجربات سے کئی مظاہر کی توجیحات پیش کیں۔ تاہم مسلمان یہ بھی گمان نہیں کرتے تھے کہ ہر علم مشاہدے سے ہی حاصل ہوتا ہے اور اس کے لیے کسی سابقہ معلومات کی ضرورت نہیں

ہے۔ بلکہ انہوں نے علوم کو اس لحاظ سے تقسیم کیا کہ کچھ علوم مشاہدہ سے حاصل ہوتے ہیں جبکہ کچھ علوم کے لیے وحی کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

مسلمان اسلام کی حقانیت اور آخری الہامی دین پر ایمان ہونے کی وجہ سے اپنی تہذیب کو باقی تمام تہذیبوں سے برتر اور اعلیٰ سمجھتے تھے،اس تہذیبی برتری نے مسلمانوں میں یہ ذہنیت پیدا کی کہ وہ دیگر فکر و فلسفوں اور سائنسی نظریات کا تنقیدی جائزہ لیں اور اس سے اخذ کرنے سے قبل اس کی جانچ پڑتال کریں۔ پس مسلمانوں کی تحقیق نے دیگر اقوام کے فلسفوں اور ان کے طرزِ فکر کے غلط ہونے کو آشکار کیا، حتیٰ کے اسلامی علاقوں میں بسنے والے محققین کی کتابیں قدیم فلسفوں کو جاننے کا ماخذ بن گئیں۔ جب یونانی فکر اور منطقی طرزِ استدلال سے متاثر ہو کر کچھ مسلمان فلسفیوں نے کائنات اور حیات کے متعلق ایسے نتائج اخذ کیے جو اسلام کے قطعی تصورات سے براہِ راست ٹکراتے تھے تو جس چیز نے مسلمان اہلِ فکر کو یونانی فکر و فلسفہ کی گمراہی سے محفوظ رکھا وہ اسلامی عقیدہ کے تصورات ہی تھے، جو مسلمانوں کے نزدیک قطعی تھے۔ یوں اسلامی عقیدہ کی رہنمائی نے مسلمانوں پر یونانی طرزِ فکر کا باطل ہونا واضح کیا، پھر مسلمانوں نے یونانی طرزِ فکر کا محاکمہ کیا اور اس غلط ہونے کو ثابت کیا۔

اس تمام تر بحث سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے تمدن کا عروج، مسلمانوں کی سائنسی ترقی اسلام ہی کی مرہونِ منت تھی۔ یہ اسلام کی آئیڈیالوجی کے مختلف پہلو ہی تھے کہ جس نے عرب کے بدوؤں کو جہاں بانی سکھائی، اور مختلف علوم و فنون کا امام بنا دیا۔ اگر اسلام موجود نہ ہوتا تو دنیا مشرق وسطیٰ میں جنم لینے والی اس عظیم تہذیب کے مثبت اثرات سے محروم رہتی کہ جس کا سورج صدیوں پوری دنیا کو علم و فکر کی روشنی مہیا کرتا رہا۔ کتنے خائن ہیں وہ لوگ جو اسلام سے بغض رکھنے کی وجہ سے اس اسلامی طاقت کا انکار کرتے ہیں جو مسلمانوں کی ترقی و عروج کے پیچھے کارفرما تھی اور اسے یونان و روم کے فلسفے سے جوڑنے کی بے بنیاد کوشش کرتے ہیں، اور ان میں سے کچھ تو اس حد تک گرے ہوئے ہیں کہ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی تہذیب کے عروج کا کوئی دور سرے سے موجود ہی نہ تھا۔ اور نہ ہی ان ماڈرنسٹ کی فکر میں کوئی جان ہے جو اپنے تئیں یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی وہ تعبیر جو صحابہ کرامؓ،

تابعین، تبع تابعین اور اس کے بعد صدیوں مسلمانوں میں رائج رہی، وہ مسلمانوں کو ترقی نہیں دلا سکتی، اسے پسِ پشت ڈال کر اسلام کی ایسی تعبیر کرنے کی ضرورت ہے جو مغربی تہذیب کے افکار کے مطابق ہو، حالانکہ یہ کلاسیکل تعبیر ہی مسلمانوں کے عروج کی بنیادی وجہ تھی، جیسا کہ اوپر اس عروج کے سائنسی پہلو کے متعلق واضح کیا گیا۔

اس بحث کے مکمل ہو جانے کے بعد اب ہم اس سے منسلک کچھ موضوعات پر بات کرتے ہیں۔

اگر اسلام مسلمانوں کی سائنسی ترقی کی بنیادی وجہ تھا تو آج مغرب کی ترقی کی وجوہات کیا ہیں:

سائنس اور ٹیکنالوجی میں زبردست ترقی کچھ سائنسی ادارے کھول دینے سے وقوع پزیر نہیں ہوتی، یہ اس وقت وقوع پزیر ہوتی ہے جب پوری قوم میں اس کے لیے ایک مقصدیت اور تحریک موجود ہو۔ اور ایک قوم اس وقت زبردست انداز سے ہر میدان میں متحرک ہوتی ہے جب وہ زندگی کے امور کے متعلق ایک جامع فکر کو اختیار کرتی ہے۔ یہ فکر اس کے لیے زندگی کے متعلق نقطہ نظر کا تعین کرتی ہے، پس اس قوم کے لیے مقصدِ حیات واضح ہو جاتا ہے اور وہ قوم اس فکر کی روشنی میں اپنے لیے نصب العین کو طے کر لیتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس قوم کے امور اس جامع فکر کی بنا پر منظم ہو جاتے ہیں اور یوں وہ قوم اس فکر سے نکلنے والے نصب العین کے حصول کے لیے زبردست انداز میں متحرک ہو جاتی ہے، اور سائنس و ٹیکنالوجی سمیت ہر میدان میں ترقی کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک آئیڈیالوجی کی فکر ہی ہے جو تمام معاشرے میں ایک انقلاب برپا کرتی ہے اور وہ معاشرہ پستی کی راہ کو چھوڑ کر نشاۃِ ثانیہ کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ پس آئیڈیالوجی پر مبنی فکری و سیاسی تبدیلی پہلے ہے اور سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی اس کا پھل ہے۔ مغرب کی سائنسی ترقی بھی اسی ترتیب سے ہوئی۔ مغرب کی لبرل سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی نے مغربی معاشروں کو فکری طور پر جِلا بخشی اور پورا معاشرہ اس آئیڈیالوجی سے نکلنے والی utilitarianism کی سوچ کے تحت متحرک ہو گیا۔ اسی عرصہ میں مسلمانوں کے سائنسی علوم و فنون صلیبی جنگوں کے نتیجے میں اور طیطلیہ (سپین) کے راستے یورپ میں پہنچ چکے تھے۔ پس یورپ نے علم کے اس ذخیرے سے فائدہ اٹھایا، کئی چیزوں کو ہو بہو

مسلمانوں سے نقل کیا، مسلمانوں کی کئی ایجادات کو اپنے نام کیا اور مزید ایجادات بھی کیں۔ مختلف لوگوں نے ان ایجادات کو اپنی ذاتی دولت میں اضافے کا ذریعہ بنایا۔ سرمایہ دارانہ لالچ کے تحت چیزوں کو ایجاد کر کے انہیں پیٹنٹ کرانے کی ایک دوڑ شروع ہو گئی اور مغربی ریاستوں نے اس تمام کی سرپرستی کی کیونکہ یہ ریاستیں اس سرمایہ دارانہ سوچ پر یقین رکھتی تھیں کہ دولت کے حصول کی دوڑ، اس کے لیے مقابلہ بازی اور آسائشوں کا زیادہ سے زیادہ حصول قوموں کی اجتماعی دولت میں اضافے کا باعث بنتا ہے اور معاشی خوشحالی لاتا ہے۔ مغربی ریاستوں نے اپنے آپ کو فوجی لحاظ سے مضبوط بنانے کے لیے بھی سائنس اور ٹیکنالوجی پر توجہ دی کیا تاکہ باقی دنیا کے ممالک کو فوجی قوت کے بل بوتے پر اپنی کالونی بنا کر دنیا کے وسائل کو سمیٹ سکیں۔ اس تمام نے یورپ سائنس و ٹیکنالوجی کے انقلاب کو جنم دیا۔ جو دراصل اس سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کو ایک ضابطہ حیات کے طور پر اپنانے کا نتیجہ تھا۔ مغرب کا ارتقاء بھی اس یونانی فکر و فلسفہ کی بنا پر نہیں تھا جو صدیوں سے ان کے علاقوں میں موجود تھا۔ بلکہ اگر مغرب یونانی فکر و فلسفے کو اپناتا تو وہ کبھی ترقی نہ کر پاتا۔

پس جو اصول سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ کوئی بھی قوم جب ایک آئیڈیالوجی کو طرز حیات کے طور پر اپناتی ہے تو وہ زندگی کے ہر میدان میں ترقی کرتی ہے، یہی روس میں کیمونزم کی آئیڈیالوجی کے نفاذ کے نتیجے میں ہوا، یہی مغرب میں سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی (کیپٹلزم) کے نفاذ کے نتیجے میں ہوا اور یہی مدینہ میں اسلام کی آئیڈیالوجی کا نتیجہ تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ کیمونزم اور کیپٹلزم دونوں آئیڈیالوجیز انسانی ذہن کی اختراع ہونے کے باعث ناقص ہیں اور انسانی مسائل کو درست انداز میں حل کرنے سے عاری ہیں، مگر ان آئیڈیالوجیز کے نفاذ نے بہرحال مادی نتائج پیدا کیے ہیں۔

سیاسی انقلاب یا سائنسی انقلاب:

مسلم اہلِ فکر حلقوں میں یہ مباحثہ گردش کرتا رہتا ہے کہ کیا پہلے تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کو عام کر کے مادی ترقی حاصل کی جائے، اپنے آپ کو مضبوط بنایا جائے اور پھر ایک ریاست کی سیاسی تعمیر کی جائے یا پھر پہلے ریاستی سطح پر اسلام پر مبنی ایک انقلابی سیاسی تبدیلی لائی جائے اور اس کے تحت ہر میدان میں آگے بڑھا جائے، جس میں سائنس و ٹیکنالوجی بھی شامل ہے۔ کوئی بھی شخص جو نظریات، نظاموں اور ترقی وارتقاء کے ساتھ اس کے ربط و تعلق سے آگاہ ہے، اور اسلام کی صلاحیت سے بھی واقف ہے، اس پر یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام پر مبنی ایک ہمہ گیر تبدیلی کے بغیر نہ تو اعلیٰ سائنسی ترقی کا حصول ہو سکے گا اور نہ ہی سائنسی تعلیم کا حصول مسلمانوں کے لیے مطلوبہ نتائج پیدا کرے گا۔

عملی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو آج سائنسی و ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کثیر سرمائے کے بغیر ممکن نہیں جس کے لیے مضبوط معیشت کا ہونا ضروری ہے، جو بیرونی اداروں اور حکومتوں کی محتاج نہ ہو اور اس کے لیے ایک ایسے حکومتی نظام کی ضرورت ہے جو اندرونی و بیرونی استحکام مہیا کرے۔ گویا یہ ترقی سیاسی خود مختاری کے بغیر ممکن نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ استعماری طاقتیں مسلم دنیا کے حکمرانوں کے ذریعے ہی مسلمانوں کو پسماندہ اور سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں حقیقی پیش رفت سے محروم رکھے ہوئے ہیں۔ اور پاکستان کے پالیسی سازوں کی ذہنی سطح تو یہ ہے کہ ملک سے قابل افراد کا مسلسل brain drain ہو رہا ہے جبکہ یہ کوتاہ بین حکمران اس ضیاع اور نقصان کے متعلق ہرگز فکر مند نہیں، بلکہ ان کی پست سوچ کا محور یہ ہے کہ کس طرح ہمیں بیرون ملک پاکستانیوں کی بھیجی ہوئی رقوم foreign remittance کے ذریعے زیادہ سے زیادہ سستے ڈالر حاصل ہوں!

کیا سائنسی ترقی کسی قوم کے اعلیٰ ہونے کا معیار ہے

اس بحث کے اختتام میں اس بات کو واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ سائنسی ایجادات اہم اور دلکش تو ہیں مگر یہ کسی قوم کے برتر ہونے کا معیار نہیں۔ سائنسی ترقی کو برتری کے لیے پیمانہ سمجھنا دراصل مغرب سے متاثر ہونے کا

نتیجہ ہے، جس کی وجہ سے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سائنسی طریقہ کار ہی سوچ کے لیے معیار ہے اور سائنسی ترقی ہی انسانیت کے عروج کا مظہر ہے۔ برتر تہذیب وہ ہے جو لوگوں کے امور کو منظم کرنے میں برتر ہو اور انسانی تعلقات کی ٹھیک ٹھیک تنظیم کر سکتی ہو۔ انسانی تعلقات کی تنظیم سائنسی ایجادات کے ذریعے نہیں ہوتی بلکہ ان قوانین کے ذریعے ہوتی ہے جو انسانی تعلقات کو منظم کرتے ہیں۔ آج تمام تر سائنسی ایجادات کے باوجود امیر اور غریب کی بڑھتی ہوئی خلیج، حکمرانی پر سرمایہ دار طبقے کا تسلط، ٹوٹ پھوٹ کے شکار خاندان اور مرد و عورت کے تعلقات، ذہنی سکون سے عاری اور جنسی ہیجان میں مبتلا معاشرہ، اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی پُر اطمینان اور کامیاب زندگی کی ضامن نہیں ہے۔ اگرچہ سائنسی ایجادات دنیاوی امور میں سہولت مہیا کرتی ہیں، کاموں کو سہل بناتی ہیں اور ریاست کے لیے عوامی سہولیات کی فراہمی میں بھی مدد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ مغرب سائنسی ایجادات کے پرچار اور تشہیر کے ذریعے انسانی تعلقات کی درست تنظیم میں اپنی ناکامی کو چھپاتا ہے اور یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ چونکہ اس نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی ہے اس لیے دنیا اسے برتر تہذیب تسلیم کرلے۔

خلافت کے قیام کے بعد اسلام کے قوانین کا نفاذ معاشرے میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے متعلق درست نقطہ نظر کو پروان چڑھائے گا، جو آج امت کے دانشور اور تعلیم یافتہ طبقے کے مغرب سے مرعوب ہونے کے نتیجے میں بگڑ چکا ہے۔ ایک اعلیٰ طرزِ زندگی کے لیے کوئی ایسا پیمانہ درست نہیں ہو سکتا کہ کہ جو مسلسل ارتقاء پزیر ہو، جو کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی حقیقت ہے جو مسلسل تبدیلی کی زد میں ہے۔ ہر دور کا انسان اپنے دَور کی آسائشوں سے سہولت حاصل کرتا رہا ہے جبکہ سائنس سے مرعوبیت یہ سوچ دیتی ہے کہ گویا ماضی کا انسان انتہائی پست زندگی کا حامل تھا کیونکہ وہ ان آسائشوں اور سہولیات سے محروم تھا جو آج دستیاب ہیں۔ اور نہ ہی ہمیں مغرب کی سائنس و ٹیکنالوجی سے مرعوب ہونے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ جو مسلمانوں نے کبھی حاصل نہ کی ہو۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے مغرب کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی میں بھی مسلمانوں کا بڑا ہاتھ ہے، جس نے مسلمانوں کی ایجادات اور کتابوں سے استفادہ کیا، جو انہیں کسی کاپی رائیٹس کے بغیر دستیاب تھیں اور سائنسی ترقی کے اس سفر کو

آگے بڑھایا۔ فی الحقیقت پوری دنیا کو ظلم، بھوک وافلاس اور ابتری سے معمور کرنے اور اسلامی دنیا کو اپنی استعماری پالیسیوں اور غلام حکمرانوں کے ذریعے غلام بنانے والا عالمِ کفر ستائش و قبولیت کا حق دار نہیں ہے۔

پس آج کوئی بھی مسلمان جوامتِ مسلمہ کے دوبارا عروج کا خواہش مند ہے اسے چاہئے کہ وہ مسلم معاشروں میں اسلامی طرزِ زندگی کے از سر نو آغاز کے لیے سر گرمِ عمل ہو جائے، جو اسلامی ریاستِ خلافت کے دوبارا قیام کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ کیونکہ یہ اسلام کا ایک جامع اور ہمہ گیر نظریے کے طور پر، ریاست کی شکل میں نفاذ ہی ہو گا جو مسلمان علاقوں کو زندہ کرے گا، مسلمانوں میں تخلیقی صلاحیتوں کی آبیاری کرے گا، اس امت کے دل و دماغ کو روشن کرے گا اور اس امت کو دوبارا دنیا کا امام بنائے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

"تم امتوں میں سے سب سے بہتر ہو جسے انسانیت کے لیے کھڑا کیا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" (آل عمران: 110)

فہرست

فحش بینی (pornography) کا استعمال انسانیت کیلئے نقصان، انحصار اور مصائب کا باعث ہے

خلیل مصعب، پاکستان

تعارف: فحش بینی کا استعمال مغربی کی لذت کی تلاش (Hedonism) کا نتیجہ ہے:

فحش بینی اس حد تک پھیلی ہوئی ہے کہ جہاں کہیں بھی مغربی تہذیب کا اثر ہے وہاں یہ ایک معمول بن گئی ہے۔ فحش بینی کا استعمال در حقیقت آج کی غالب تہذیب یعنی مغربی تہذیب کا نتیجہ ہے۔ لذت کی تلاش (Hedonism) جبلتی خواہشات بشمول جنسی خواہش کی تسکین کا مغربی نظریہ ہے، جو کہ جبلت نوع کے اظہار کی کیفیت ہے۔ Hedonism یا لذت پسندی، لذت کو زیادہ سے زیادہ اور درد کو کم سے کم کرنے کا ایک تصور ہے۔ لذت پسندی کے اس تصور کے مطابق خواہشات کو کسی بھی طرح سے دبایا نہیں جانا چاہیے اور نہ ہی انہیں کسی طرح منظم کیا جانا چاہیے، یہاں تک کہ انسان کی خواہشات اسے جہاں تک لے جانا چاہیں لے جائیں۔ لذت پسندی چرچ کی حکمرانی کے دور کا ردِ عمل ہے، جہاں جنسی خواہش کو ہوس پرستانہ اور جنسی عمل کو حیوانی تصور کیا جاتا تھا۔ چرچ کے تصورات میں پرہیزگاری اور کنوارے پن کو نیکی سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح جبلت کی عدم تسکین معاشرے میں تکلیف اور جنسی طور پر جھنجھلاہٹ کا باعث بنی۔ تاہم، جنسی جبلت کو دبانے، اس کے انکار اور غیر فطرتی پرہیزگاری کے ردِ عمل میں، لذت پسندی ایک دوسری انتہا کو پہنچ گئی اور اس نے جبلتوں کو بے قابو کر دیا، جس کے نتیجے میں نقصانات، مصائب اور تکالیف کی مختلف صورتوں نے جنم لیا۔

فحش بینی نے استعمال کرنے والوں کو، لذت پسندی کے غلبے کی وجہ سے مزید فحش بینی پر اکسایا کہ جس میں انتہائی قسم کے مواد کی تلاش، جنسی طور پر مسلسل متحرک رہنے اور فحش بینی کی لَت کی وجہ سے روزمرہ زندگی اور

رشتوں میں خلل، بشمول شریک حیات کے ساتھ قریبی تعلقات میں خلل سے دوچار کر دیا۔ در حقیقت جس چیز کی ضرورت ہے وہ نہ تو جبلتِ نوع کی کو مکمل طور پر دبانا ہے اور نہ ہی اسے اپنی حدود سے بے جا تجاوز کرنے دینا ہے، بلکہ ان جبلتوں اور خواہشات کو انسانوں کے خالق کے نازل کردہ نظام کے تحت منظم کرنا ہے۔ اسلام ایک ایسا سماجی نظام دیتا ہے جو جبلت نوع کو عدم تسکین یا کسی زیادتی کے بغیر منظم کرتا ہے۔ مزید برآں، اسلام انسان کو خوشی کی حقیقی بنیادوں یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی پر مرکوز کرواتا ہے، جو کہ خواہشات کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے مطابق منظم کرنا ہے۔

فحش بینی کے استعمال پر انحصار:

جبلتِ نوع کو لذت کی تلاش میں اس طرح آزاد چھوڑ دینا شہوت پرستی کا باعث بنتا ہے جس کی وجہ سے جسم میں حیاتیاتی اور کیمیائی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جو نشے کی حد تک عادت میں ڈھل جاتی ہیں۔ فحش بینی حساسیت کو گھٹاتا ہے، جو ڈوپامائن کی بڑی مقدار میں پیداوار کی وجہ بنتا ہے۔ ڈوپامائن خوشی کے احساسات اُبھارنے والا ایک کیمیکل ہے جس کا اخراج اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی خوشگوار سرگرمی میں مشغول ہو، جیسے کہ کوئی لذیذ کھانا کھانا یا کوئی تفریحی کھیل کھیلنا۔ اس طرح کی عام اور روزمرہ کی سرگرمیاں صحت مند مقدار میں ڈوپامین خارج کرتی ہیں جس کو دماغ استعمال میں لاتا ہے۔ تاہم فحش مواد دیکھنے سے ڈوپامائن کی اتنی زیادہ مقدار خارج ہوتی ہے کہ دماغ اس کے خلاف کام کرنا شروع کر دیتا ہے کہ ڈوپامائن جذب کرنے والے خلیوں کی تعداد گھٹنے لگتی ہے، جس کی وجہ سے دماغ ڈوپامائن کے اخراج پر ردعمل کم کر دیتا ہے۔ یہ ہی حساسیت کے کم ہو جانے کی بنیاد ہے۔ تاہم، مسئلہ یہ ہے کہ اس تمام صورتحال کے باوجود دماغ کا ایک حصہ ہوتا ہے جو پھر بھی فحش مواد دیکھنے کا خواہش مند ہوتا ہے اور ڈوپامائن کے اخراج کے لیے ترستا ہے۔ لہٰذا، اس ردِعمل کو پورا کرنے کے لیے، فحش بینی کرنے والے زیادہ سے زیادہ مواد کی تلاش کرتے ہیں، یعنی فحش بینی کی زیادہ سے زیادہ انتہائی شکلوں کی تلاش۔ یعنی فحش بینی کرنے والا جب فحش مواد دیکھنا شروع کرتا ہے تو اس سے جنسی جذبات میں کمی واقع ہوتی ہے جس کی وجہ سے ڈوپامائن کی مزید مقدار کی فراہمی کے لئے، وہ مزید سے مزید

مواد دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ جو کہ نہ صرف ایک گردشی چکر (cycle) ہے بلکہ اس میں مواد کے استعمال میں اضافہ بھی شامل ہے۔

جب حساسیت میں کمی کا یہ عمل ہو رہا ہوتا ہے، تو دماغ بیک وقت ایک دوسری تبدیلی سے گزرتا ہے جو کہ حساسیت میں اضافہ ہے۔ یعنی، ڈوپامائن کے حصول میں، دماغ کسی بھی ایسی چیز کے لیے انتہائی حساس ہو جاتا ہے جو اسے فحش بینی کی یاد دلاتا ہے۔ یعنی کسی قسم کا کوئی بھی اشارہ یا یاد دہانی۔ یہ اشارے میگزین کے سرورق پر موجود تصویر سے لے کر سوشل میڈیا پر اشتہار تک کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ اشارے یا محرکات کسی قسم کی آوازیں بھی ہو سکتے ہیں۔ تاہم، اثرات ایک ہی ہوتے ہیں جو شدید خواہشات کو متحرک کرتے ہیں جو انہیں دوبارہ فحش بینی کی طرف مائل کرتے ہیں۔

دماغ میں ہونے والی تیسری تبدیلی کی وجہ سے ان خواہشات کے خلاف مزاحمت کرنا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے، ہائپوفرنٹیلٹی (hypofrontality) یعنی دماغ کے آگے کے حصے کے قریب سرگرمی میں کمی۔ یہ دماغ کے آگے کے حصے کے قریب سرمئی اور سفید مادے میں تبدیلیوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ ہائپوفرنٹیلٹی (hypofrontality) کی وجہ سے ہی ہے کہ فحش بینی کو ترک کرنے کی اندرونی خواہش کے باوجود، صارفین کو خواہشات کے خلاف مزاحمت کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اپنے آپ کو روکنے کی طاقت کھو بیٹھتے ہیں۔

دماغ میں چوتھی اہم تبدیلی تناؤ کے ٹوٹے ہوئے روابط کے اندر ہوتی ہے جو دماغ کے تناؤ کو کنٹرول کرنے کی صلاحیت سے متعلق ہے۔ فحش مواد کو بار بار دیکھنے سے دماغ میں ہونے والی خرابیوں کی وجہ سے، صارفین کو تناؤ کے معمولی ذرائع سے بھی نمٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ معمولی دباؤ اکثر دماغ کے حساس حصوں کو متحرک کرتے ہیں، جس سے خواہش پیدا ہوتی ہے، جو زیادہ فحش مواد دیکھنے کی طرف مائل کرتی ہے۔

اس کے علاوہ، ڈیلٹا فاس بی (DeltaFosB) ایک پروٹین ہے جو ڈوپامائن کے اخراج پر تیار ہوتا ہے۔ جتنا زیادہ ڈوپامائن کا اخراج ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ ڈیلٹا فاس بی جمع ہوتا ہے۔ ڈیلٹا فاس بی (DeltaFosB) کا کام یہ ہے کہ یہ فحش بینی کی یادداشت اور اس کے دیکھنے سے وابستہ لذت کے جذبات کو ابھارتا ہے۔ بنیادی طور پر، یہ دماغ کو یاد دلاتا ہے کہ فحش بینی کتنی پُرلذت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فحش مواد استعمال کرنے والوں میں فحش مواد دیکھنے کی خواہش بدستور برقرار رہتی ہے۔ ڈیلٹا فاس بی (DeltaFosB) کی ہی وجہ سے فحش بینی کا بار بار کا گردشی چکر مسلسل جاری رہتا ہے۔

لہٰذا، فحاشی دیکھنے کی خواہش خود فحاشی دیکھنے کے عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ فحش بینی سے ڈوپامائن پیدا ہوتی ہے، جو ڈیلٹا فاس بی کے جمع ہونے کا باعث بنتی ہے، جس کی وجہ سے خواہشات میں شدت آتی ہے۔ لہٰذا، فحش بینی کی خواہش سے چھٹکارا پانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس خواہش سے صرف رکنا نہیں ہے، بلکہ اس کی مزاحمت کرنی ہے۔ صرف رکنے سے بار بار کا گردشی چکر برقرار رہتا ہے۔ اس کی مزاحمت کرنا ہی دماغ کو صحت مند بناتا ہے اور خواہشات کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے۔ زیادہ تر مطالعات کے مطابق، دماغ میں ڈیلٹا فاس بی کو ختم ہونے میں ایک سے دو مہینے لگتے ہیں لیکن فحش بینی کی خواہش کو ختم ہونے میں اس سے بھی کم وقت لگ سکتا ہے۔ یقیناً، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ فحش بینی کے گردشی چکر کو توڑا نہیں جا سکتا۔

انفرادی سطح پر فحش بینی کے استعمال کو ختم کرنا :

فحش مواد کا استعمال ترک کرنے کے خواہاں کسی بھی شخص کو ذہن میں پہلی چیز جو مضبوطی سے سمجھ لینی چاہیے، وہ یہ ہے کہ فحش مواد دیکھنا گناہ ہے۔ لہٰذا فحش مواد کو ترک کرنے کی ترغیب یہ ہونی چاہیے کہ یہ گناہ ہے اور مسلسل اس کے دیکھنے پر قائم رہنا اور توبہ نہ کرنا، آخرت میں عذاب کا باعث بن سکتا ہے۔

اسلام میں فحش مواد کا استعمال جائز نہیں ہے، چاہے وہ حقیقی جسموں کے بر خلاف تصویریں ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ اس شرعی قائدہ کی وجہ سے ہے: الوسيلة إلى الحرام حرام "حرام کا ذریعہ بھی حرام ہے"۔ اس صورتحال میں اسباب اگر یقینی طور پر حرام کی طرف نہ بھی لے جاتے ہوں، لیکن غالب امکان اس ہی کا ہے (غلب علی الظن) تو عمل حرام ہو گا۔ اس شرعی قاعدہ کی دلیل یہ آیت ہے، ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ **"انہیں برا بھلا نہ کہو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ زیادتی کرتے ہوئے جہالت کی وجہ سے اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے"** (سورۃ انعام: 108)۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے توہین کو منع فرمایا، کیونکہ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توہین کا سبب بن سکتا ہے۔ پس قاعدہ ان تمام چیزوں سے منع کرتا ہے جو لازماً گناہ کی طرف لے جاتی ہیں۔ فحش بینی در حقیقت دیگر گناہوں کی طرف لے جاتی ہے، جیسے کہ عورتوں کو ہوس کی نگاہ سے دیکھنا، چھیڑ خانی، مردوں اور عورتوں کے درمیان آزادانہ میل جول، چھونا، تعاقب، ایذا رسانی، حملہ، زنا، ہم جنس پرستی اور عصمت دری وغیرہ۔

اس وضاحت کا مقصد یہ ہے کہ جب اس مصیبت زدہ عادت میں مبتلا مسلمان فحش بینی کے استعمال پر قابو پانے کا سفر شروع کرتا ہے تو اس کی نیتیں سچی ہوتی ہیں اور اس کے ذہن میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ جو فحش بینی کے استعمال کو ختم کرنے کی کسی نیم دلی کوشش کو جنم دے۔

اب جب کے ہم فحش بینی کے استعمال کی نوعیت اور اس کی خصوصیات کو سمجھ چکے ہیں، تو ہم اس پر قابو پانے کے طریقوں پر بحث شروع کر سکتے ہیں۔

ہم فحش بینی اور اس کے استعمال کے گردشی چکر کے بارے میں جو کچھ سمجھتے ہیں وہ اس کے مطابق ہے جسے علمائے کرام نے گناہ کی نوعیت سمجھا ہے۔

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "روحانی بیماریاں اور ان کے علاج" میں گناہ کی نوعیت کے بارے میں کہتے ہیں: "گناہوں کا کرنا دوسرے گناہوں کے کرنے کا باعث بنتا ہے، یہاں تک کہ ایک شخص کے لئے ان کو ترک کرنا مشکل ہو جاتا ہے"۔ایک عالم کا قول ہے کہ "یہ گناہ کی سزاؤں میں سے ہے کہ بندہ ایک کے بعد دوسرا گناہ کر بیٹھتا ہے۔اور یہ نیکی کے اجر میں سے ہے کہ بندہ ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کرتا ہے۔جب کوئی شخص کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کے ساتھ والی نیکی کہتی ہے: "مجھے بھی کرو"۔اگر وہ دوسری نیکی بھی کرلیتا ہے تو تیسری نیکی درخواست کرتی ہے،اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا ہے، یہاں تک کہ اجر کے طور پر اُس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔اور ایسا ہی ہوتا ہے (لیکن منفی انداز میں) جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے"۔

اس صورتحال میں مقصد یہ ہے کہ خواہشات کے خلاف تسلسل سے مزاحمت کی جائے تاکہ ہر آنے والی خواہش پچھلی خواہش سے کمزور ہوتی جائے، یہاں تک کہ فحش بینی کی طرف کشش کی علامات ختم ہونے لگتی ہیں اور اُس کی عادت پر قابو پالیا جاتا ہے۔تو سوال یہ ہے کہ پھر جو مسلمان اس عادت سے چھٹکارا چاہتا ہے تو وہ ان خواہشات سے کیسے بچ سکتا ہے اور نتیجے میں اس پر قابو کیسے پا سکتا ہے؟

توبہ گناہوں پر قابو پانے کا ذریعہ ہے :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لَوْ أَخْطَأْتُمْ حَتَّى تَبْلُغَ خَطَايَاكُمُ السَّمَاءَ ثُمَّ تُبْتُمْ لَتَابَ عَلَيْكُمْ "اگر تم گناہ کرو یہاں تک کہ تمہارے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں، پھر تم توبہ کرو تو (اللہ تعالیٰ) ضرور تمہاری توبہ قبول کرے گا"** (ابن ماجہ)۔اس عادت پر قابو پانے اور مدد کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا پہلا قدم یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے توبہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ فَإِنْ زَادَ زَادَتْ فَذَلِكَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَهُ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ {كَلاَّ بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا**

یَكْسِبُونَ} "مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کر لے اور اس گناہ کو چھوڑ کر استغفار کرے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ گناہ پر گناہ کرتا رہے تو وہ سیاہ دھبہ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے پورے دل کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ یہی وہ زنگ ہے جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے: ﴿ كَلاَّ بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴾ "ہرگز نہیں، بلکہ دراصل اِن لوگوں کے دلوں پر ان کے بُرے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے" (سورۃ المطففین: 14)" (ابن ماجہ)۔ لیکن اگر کوئی شخص توبہ کرتا ہے اور بعد میں دوبارہ گناہ کر بیٹھتا ہے تو اسے دوبارہ توبہ کرنی چاہیے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہت بخشنے اور رحم کرنے والا ہے اور بار بار گناہوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ عَبْدًا أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ: رَبِّ أَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهُ أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ؟ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ: رَبِّ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهُ: أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ؟ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذنبا قال: رب أذنبت ذنبا آخر فَاغفِر لِي فَقَالَ: أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ؟ غَفَرْتُ لِعَبْدِي فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ "اگر کوئی شخص گناہ کرے اور پھر کہے کہ اے میرے رب! میں نے گناہ کیا ہے، مجھے بخش دے! تو اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور گناہ کی وجہ سے سزا بھی دیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ پھر بندہ کچھ دیر گناہ سے رُکا رہا لیکن پھر دوبارہ دوسرا گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے رب میں نے ایک اور گناہ کیا ہے مجھے معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کو معلوم ہوا کہ اس کا رب ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے اور اس کی سزا بھی دیتا ہے، اس لیے میں نے اپنے بندے (کے اس گناہ) کو بخش دیا۔ پھر وہ تھوڑی دیر تک کوئی اور گناہ کیے بغیر رہا لیکن پھر (تیسری بار) گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے رب میں نے ایک اور گناہ کیا ہے تو مجھے معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ

جان گیا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہوں کو معاف کرتا ہے اور اس کی سزا بھی دیتا ہے، اس لیے میں نے اپنے بندے (کے اس گناہ) کو معاف کر دیا ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے" (بخاری و مسلم)۔

اپنی شرح صحیح مسلم سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ حدیث کے بارے میں فرمایا: "اگر گناہ سو مرتبہ یا ہزار مرتبہ یا اس سے زیادہ کیا جائے اور وہ ہر بار توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو کی جائے گی اور اس کا گناہ مٹا دیا جائے گا۔ اور اگر وہ ان سب سے ایک بار توبہ کر لے تو اس کی توبہ صحیح ہو گی"۔

لہذا مسلمان کو ایک بار بھی مایوسی کی حالت میں نہیں آنا چاہیے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے معافی مانگنا چھوڑ دے۔ یہ شیطان کی چال ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے استغفار کرنا چھوڑ دینا اس بات کا انکار کرنا ہے کہ وہ الرحیم ہے، اور یہ انکار بذات خود ایک گناہ ہے۔

البتہ مومنوں کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ جب بھی توبہ کریں، تو ان کی توبہ سچی ہو، وہ اس گناہ کو دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم رکھتے ہوں، اور وہ شیطان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہوں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر توکل کرنا اور اُن سے حفاظت کی دعا مانگتے رہنا :

توکل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر پکا بھروسہ ہو اور اس بات کی سمجھ ہو کہ صرف وہی مومنوں کا مولا (محافظ) ہے۔ جب دل میں کسی چیز کی خواہش اُبھرتی ہے تو شیطان اپنے وسوسوں سے ان خواہشات کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے جس سے یہ خواہشات گناہ کی طرف مائل کرتی ہیں۔ لہٰذا، جو شخص فحش بینی کی خواہشات کو زیر کرنا چاہتا ہے، اسے شیطان سے لاحق خطروں کو سمجھنا چاہیے اور اس لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی عادت تھی کہ وہ شیطان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔

اللہ عزوجل کی حفاظت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی یاد میں اضافہ کیا جائے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "دل کے معجزات" میں مندرجہ ذیل نصیحت کرتے ہیں کہ: اللہ کا ذکر دل کو محفوظ بناتا ہے، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ پھر وہاں شیطان کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ کسی چیز کا علاج صرف اس کے مخالف اجزاء میں ہوتا ہے اور شیطان کے تمام برے وسوسوں کا اعلاج اللہ کی پناہ مانگنے میں ہے اور اس بات کا یہی مطلب ہے کہ جب آپ کہتے ہیں: أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ "میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے"، اور: یہ کہ لا حول ولا قوة إلا بالله "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی طاقت و قوت نہیں ہے جو مجھے پناہ دے سکے"۔اس طرح صرف پرہیز گار لوگ ہی کر سکتے ہیں جن پر اللہ کا ذکر غالب ہو اور شیطان صرف ان کی غلطیوں کے وقت ایک چال کے طور پر ان کے پاس آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْاْ إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُواْ فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾ **"بے شک وہ لوگ جو اللہ سے ڈرتے ہیں، توجب شیطان کی طرف سے انہیں وسوسے چھونے لگتے ہیں تو وہ اللہ عزوجل کو یاد کرتے ہیں کہ یکایک انہیں حقیقت کا پتا چل جاتا ہے"**(سورۃ اعراف: 201)۔

پس جب وسوسے ذہن میں داخل ہو جائیں اور خواہشات بڑھنے لگے تو مزاحمت کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

گناہ کی جگہوں سے بچنا اور نیک کاموں میں مشغول ہونا :

اپنے گناہوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے والوں کو اکثر علماء کی طرف سے یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ گناہ کی خواہش سے لڑنے کے بجائے ان جگہوں اور خواہشات کو بھڑکانے والی چیزوں سے بچنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

اوپر ہم نے ان محرکات کا ذکر کیا جو حسوں کو بیدار کرتے ہیں اور دل کو فحش بینی کی طرف مائل کرتے ہیں۔ان احساسات اور محرکات کو ان کی مختلف شکلوں اور اُن کی جگہوں کو پہچاننا چاہیے اور مومن کو ان سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جب بندہ اللہ کی عبادت میں مشغول نہ ہو تو اس کا دماغ شیطان کی طرف مائل ہونے کا شکار ہو جاتا ہے۔ شیطان کی طرف سے متاثر کن خیالات غیر ارادی طور پر دماغ میں داخل ہو سکتے ہیں اور کیونکہ ایک شخص کے پاس اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لیے کچھ نہیں ہے، تو یہ خیالات اُس کے دماغ میں مضبوطی سے جگہ بنا لیتے ہیں اور پھر ان پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ پس مومن کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ سُستی اور فارغ رہنے سے بچے۔ بلکہ مومنوں کو اپنے آپ کو اُن چیزوں میں مشغول رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے جو دنیا اور آخرت میں کامیابی کا باعث بنے۔

نیک اعمال کرنے کے بہت سے فائدے ہیں لیکن ہم یہاں پر دو اعمال پر بات کریں گے: پہلا یہ کہ نیک اعمال کرنے سے مومن کے بُرے اعمال مٹ جاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ جو مومن اپنے اعمالِ صالح کی انجام دہی میں راست باز رہتا ہے وہ اللہ عزوجل کی حفاظت میں ہوتا ہے اور شیطان کے وسوسوں سے حفاظت پاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا:

اتَّقِ اللَّهَ حَيْثُمَا كُنْت، وَأَتْبِعْ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقْ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ" تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو جو اس کو مٹا دے گی اور لوگوں سے حُسنِ اخلاق سے پیش آیا کرو" (ترمذی)۔

پانچوں فرض نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات میں ادا کرنا تمام اعمال میں سے افضل عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا: **أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خمْسًا هَلْ يَبْقَى مِن دَرَنِهِ شَيْءٌ ؟" بھلا بتاؤ تو صحیح، اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ اس نہر میں ہر دن پانچ بار نہائے تو کیا اس کے جسم پر کچھ بھی میل کچیل رہے گا؟"**۔ صحابہ نے کہا: اس کے جسم پر تھوڑا بھی میل نہیں رہے گا۔ "جب آپ ﷺ کو یہ جواب ملا کہ اس میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا: **ذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللَّهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا" یہی مثال ہے پانچوں نمازوں کی، ان نمازوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے"** (بخاری و مسلم)۔

اپنے فرض اعمال کی تکمیل کے علاوہ، انسان کو اپنے مندوب اعمال کو بھی بڑھانا چاہیے۔ بہت سے علمائے کرام اپنی کتابوں میں ہر مسلمان کو اپنی استطاعت کے مطابق روزانہ قرآن مجید پڑھنے کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ پیر اور جمعرات کے روزے کی طرح رات کی نماز (تہجد) بھی بہترین اعمال میں سے ایک ہے جسے انسان انجام دے سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے غیر شادی شدہ افراد کے لیے فرمایا: **مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ "تم میں سے جو نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ کرلے اور جس کی استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے کیونکہ یہ اس کی شہوت کم کرنے کا باعث ہے"** (نسائی)۔

اپنی عادت چھوڑنے کی کوشش کرنے والے کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جب بھی فحاشی دیکھنے کا خیال آتا ہے تو اگر مومن خواہش سے باز آجائے اور گناہ میں مشغول نہ ہو تو یہ بذات خود ایک نیکی شمار ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا : **إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ، ثُمَّ بَيَّنَ ذَلِكَ: فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا، كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا، كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ، إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا، كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا، كَتَبَهَا اللَّهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً "اللہ تعالیٰ نے اچھے اور برے کاموں کا حکم دیا، پھر اس کی وضاحت فرمائی۔ جس نے کوئی نیکی کرنے کا سوچا پھر نہ کی، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے۔ اگر وہ کوئی نیک کام کرنے کا سوچے اور پھر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس سے سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ کے درمیان لکھ دے گا۔ اگر وہ کوئی برائی کرنے کا سوچے لیکن نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے، اور اگر برائی کا خیال آتا ہے اور وہ اُسے کر گزرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک برائی لکھ دیتا ہے"** (بخاری و مسلم)۔

ابن قیم نے اُس حفاظت کے بارے میں جو کہ نیک اعمال کی انجام دہی سے حاصل ہوتی ہے، اس کے بارے میں کہا: "بے شک اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے، صدقہ دینے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کی وجہ سے انسان کو ہر قسم کے بُرے وسوسوں اور خواہشات سے محفوظ رکھا جائے گا۔ یہ ایک مدافعتی نظام کی طرح ہے، جو جسم پر کسی بھی قسم

کے حملے کا مقابلہ کرتا ہے۔ نیکیاں اور برائیاں دو متضاد ہیں، جو آپس میں مسلسل کشمکش میں ہوتی ہیں، لہٰذا جب بھی نیکی کی طاقت بڑھ جاتی ہے تو مزاحمت مضبوط ہو جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دفاع کرتا ہے اور ایمان کا اظہار قول و فعل دونوں میں ہوتا ہے..."۔

عفت کی حفاظت کرنا، نگاہیں نیچی رکھنا اور بُرے تصورات سے بچنا :

اللہ کی کتاب میں اہل ایمان کو ہدایت کی گئی ہے کہ ﴿**قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ**﴾"**مومن مردوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں قدرے نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی (بدکاری وغیرہ سے) حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، بے شک اللہ اس سے باخبر ہے کہ جو وہ کرتے ہیں**" (سورۃ النور: 30)۔ جبکہ پہچاننے کے لئے نظر جائز ہے لیکن شہوت انگیز نظر حرام ہے جیسا کہ حرام کی طرف دیکھنا۔ کسی شخص کی آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں اس کے لئے وہ موردِ الزام نہیں ہے لیکن ایک بار اگر حرام پر نظر پڑ جائے تو اسے اللہ عزوجل کو یاد کرنا چاہیے اور اپنی نگاہیں نیچی کر لینی چاہیے۔ لہذا پہلی اتفاقی نظر کی اجازت ہے، لیکن اسے لمبا کرنا یا جان بوجھ کر، ہوس بھری نگاہوں سے دیکھنا گناہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرمایا: **يَا عَلِيُّ لاَ تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الأُولَى وَلَيْسَتْ لَكَ الآخِرَةُ** "**دوسری نظر مت ڈالو، کیونکہ اگر پہلی کے لیے قصوروار نہیں، تو دوسری کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے**" (ترمذی و مسند احمد)۔ شہوت کی نگاہ سے دیکھنا نہ صرف بذات خود ایک گناہ ہے بلکہ یہ خواہشات کو ابھارتا ہے جو مزید گناہوں کا باعث بن سکتی ہیں۔

ابن قیم کہتے ہیں: "...در حقیقت دیکھنا خواہش پیدا کرتا ہے۔ خواہش خیالات پیدا کرتی ہے؛ خیالات جذبہ پیدا کرتے ہیں؛ جذبہ قوت ارادی پیدا کرتا ہے جو مضبوط عزم میں بدل جاتا ہے، اور جب تک کہ کوئی رکاوٹ نہ ہو، تو پھر

عمل کرنے پر ختم ہوتا ہے"۔اس ضمن میں فرمایا گیا: " نظریں نیچی رکھنے میں صبر اس بُری نظر کے بعد ہونے والی تکلیف پر صبر سے زیادہ آسان ہے"۔

تصورات،ایسے خیالات کو اُبھارتے ہیں جو گناہ کے جذبے کو بڑھاتے ہے،اور اسے بیکار رہنے کا نتیجہ سمجھا جا سکتا ہے۔جب ذہن کو مصروف رکھنے کے لیے کوئی اچھی چیز نہیں ہوتی،تو ذہن غیر ارادی خیالات سے آسانی سے بے قابو ہو سکتا ہے اور اگر کوئی شخص اُس لمحے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو یاد نہیں کرتا اور ان خیالات کا مقابلہ نہ کرے تو وہ ان خیالات وتصورات میں مشغول ہونے کی غلطی کر سکتا ہے۔کیونکہ یہ ایک ایسی غلطی ہے جو ایسے ہی خیالات کو تقویت دیتی ہے اور دل میں خواہشات کو اُبھارتی ہے۔ناجائز کاموں کے بارے میں سوچنے سے،خواہشات شدت اختیار کر سکتی ہیں اور گناہ کرنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔لہٰذا اس بات کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ بندہ اس طرح کے خیالات کو دور کرنے کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر میں دل لگائے۔

ابن قیم کہتے ہیں: " جان لینا چاہیے کہ خواہش بذات خود کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی۔جو چیز نقصان دہ ہے وہ ایسی خواہشات سے جُوڑنا یا اِن پر رد عمل دینا ہے۔خواہش راہگیر کی طرح ہوتی ہے،اگر آپ اسے نظر انداز کریں گے،تو یہ دور ہو جائے گی۔لیکن اگر آپ اسے دعوت دیتے ہیں تو یہ آپ پر اپنی پُر فریب باتوں کا جادو چلادے گی"۔

نتیجہ: خلافت معاشرتی سطح پر فحش مواد کے استعمال کو ختم کرے گی:

فحاشی کی برائی کا انفرادی سطح پر علاج اسلام میں موجود ہے،جیسا کہ اس کے وسیع پیمانے پر استعمال کا معاشرتی علاج موجود ہے۔بہت سی وجوہات کی بنا پر معاشرتی سطح پر اسلام کو نافذ کرنے کی اشد ضرورت ہے،جس میں دنیا پر مغربی لذت پسندی کے تصور کی طرف سے آنے والی مصیبتیں بھی شامل ہیں۔فحش بینی کا استعمال اور اس سے پیدا شدہ پریشانی،مایوسی،ہراساں کرنا،حملہ،عصمت دری اور انحراف،مغربی لذت پسندی کے بوسیدہ نتائج میں سے ایک ہے۔بے شمار جانیں ضائع اور برباد ہو رہی ہیں۔مغربی تہذیب کے لذت کے حصول کے اس نظریہ کی پیروی نے اللہ سبحانہ

وتعالیٰ کی نافرمانی اور اس سے ہونے والے نقصانات سے قطع نظر انسانی خواہشات کو معبود بنادیا ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَـٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ **"کیا آپ نے اُسے بھی دیکھا، جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟ (اور اس طرح) اللہ نے انہیں جانتے بوجھتے گمراہ ہونے کیلئے چھوڑ دیا، اور اُس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا، اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہے جو ہدایت دے سکتا ہے؟ کیا تم سب اب بھی ہوش میں نہیں آؤ گے؟"** (سورۃ الجاثیہ: 23)۔

مغربی تہذیب کے برعکس اسلامی تہذیب لذت کے پیچھے بھاگنے کی بوسیدہ بنیادوں پر نہیں کھڑی ہے۔ اسلام انسانوں کی خواہشات کو بے لگام انداز میں زیادتی کرنے کیلئے کھلا نہیں چھوڑ دیتا، بلکہ ایک قطعی ضابطے اور نظام کے تحت پورا کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ اسلام انسانی خواہشات کو اللہ عزوجل کی اطاعت کے تابع بناتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ **"تم میں سے کوئی شخص بھی اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس کی خواہشات اِس چیز کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں"** (امام نووی)۔ چنانچہ اسلامی احکامات عفت، وقار اور عزت کو برقرار رکھتے ہوئے مرد اور عورت کے تعلقات کو منظم کرتے ہیں۔ اسلامی احکامات مردوں اور عورتوں کے درمیان نکاح کو منظم کرتے ہیں جو دونوں کو صحت مند، خوش آئند اور نتیجہ خیز اتحاد کی طرف لے جاتا ہے۔ اور اسلامی احکامات تعلیم، میڈیا اور سوشل میڈیا کی ہیت کو منظم کرتے ہیں، تا کہ ایسا ماحول پیدا ہو، جہاں انسانیت کو اِس عارضی دنیاوی زندگی میں اپنے حقیقی مقصد یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کی طرف راغب کیا جاسکے۔ درحقیقت، یہ نبوت کے طریقے پر خلافت کا قیام ہی ہوگا، جو پوری دنیا کو خوشی کی اصل بنیاد پر مرکوز کرے گا، جو کہ دراصل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کی جستجو ہے۔

فہرست

امت کے خادم

خالد صلاح الدین، پاکستان

اسلام کے نظام کے بہت سے منفرد پہلوؤں میں سے موجودہ جمہوری نظام کے مقابلے میں خلیفہ اور امت کے درمیان پروان چڑھنے والا رشتہ شاید سب سے زیادہ نمایاں ہے۔اس تعلق کا خلاصہ درج ذیل حدیث میں بیان ہوا ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالأَمِيرُ الَّذِى عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِىَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ أَلاَ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ "تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا، حاکم لوگوں کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور آدمی اپنے اہل وعیال کا ذمہ دار ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی ذمہ دار ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور غلام اپنے مالک کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا، تم میں سے ہر ایک ولی ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا" (مسلم/بخاری)۔

عربی میں استعمال ہونے والا لفظ "رَاعٍ" ہے جسے عربی لغت میں محافظ کے طور پر ترجمہ کیا جاتا ہے۔ حدیث ہی لفظ "رَاعٍ" کے عملی معنی کو ظاہر کرتی ہے۔ حکمران امت کا خیال رکھتا ہے جیسا کہ آدمی اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کرتا ہے، اپنے خاندان اور بچوں کی حفاظت کرتا ہے، ان کی کفالت کرتا ہے اور ان کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔امام امت کا خیال رکھتا ہے جیسا کہ عورت کسی کے کہے بغیر اپنے شوہر کے گھر کا خیال رکھتی ہے، گھر والوں کی، شوہر اور اس کے بچوں

کی ضروریات کو پورا کرتی ہے، اور اپنی اولاد کی پرورش کے لیے محبت، شفقت اور پیار کا ماحول فراہم کرتی ہے۔ لہٰذا اسلام میں سیاست کا تصور، نگہداشت اور سرپرستی کرنے سے متعلق ہے جو کہ آج کی سیاست سے بہت دور ہے۔

حدیث میں یہ بیان ہے کہ امام امت کے لیے کیسا محسوس کرتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے اہل و عیال کے لیے محسوس کرتے ہیں، وہ فرضی نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے اعمال سے ظاہر ہے۔

مدینہ میں، نگران امام کے لئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست تلاش کا معاملہ کیا۔ ابن ماجہ نے بیان کیا کہ **أَنَّ رَجُلاً مِنَ الأَنْصَارِ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُهُ فَقَالَ: لَكَ فِي بَيْتِكَ شَيْءٌ؟ قَالَ: بَلَى، حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهُ وَنَبْسُطُ بَعْضَهُ وَقَدَحٌ نَشْرَبُ فِيهِ الْمَاءَ، قَالَ: ائْتِنِي بِهِمَا، قَالَ: فَأَتَاهُ بِهِمَا، فَأَخَذَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَشْتَرِي هَذَيْنِ؟ فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ، قَالَ: مَنْ يَزِيدُ عَلَى دِرْهَمٍ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاثًا، قَالَ رَجُلٌ: أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ، فَأَعْطَاهُمَا إِيَّاهُ وَأَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ فَأَعْطَاهُمَا الأَنْصَارِيَّ وَقَالَ: اشْتَرِ بِأَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ إِلَى أَهْلِكَ، وَاشْتَرِ بِالآخَرِ قَدُومًا فَأْتِنِي بِهِ، فَفَعَلَ، فَأَخَذَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَشَدَّ فِيهِ عُودًا بِيَدِهِ وَقَالَ: اذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَلا أَرَاكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا، فَجَعَلَ يَحْتَطِبُ وَيَبِيعُ، فَجَاءَ وَقَدْ أَصَابَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ، فَقَالَ اشْتَرِ بِبَعْضِهَا طَعَامًا وَبِبَعْضِهَا ثَوْباً، ثُمَّ قَالَ: هَذَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَجِيءَ وَالْمَسْأَلَةُ نُكْتَةٌ فِي وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لا تَصْلُحُ إِلا لِذِي فَقْرٍ مُدْقِعٍ أَوْ لِذِي غُرْمٍ مُفْظِعٍ أَوْ دَمٍ مُوجِعٍ** "انصار کا ایک آدمی رسول ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے سوال کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، کپڑے کا ایک ٹکڑا، ایک حصہ جسے ہم پہنتے ہیں اور ایک حصہ جسے ہم (زمین پر) بچھاتے ہیں، اور ایک لکڑی کا پیالہ جس سے ہم پانی پیتے ہیں۔ فرمایا: انہیں میرے پاس لے آؤ۔ پھر وہ شخص یہ چیزیں آپ ﷺ کے پاس لایا اور آپ ﷺ نے انہیں اپنے ہاتھ میں لیا اور لوگوں سے پوچھا: یہ کون خریدے گا؟ ایک آدمی نے کہا: میں انہیں ایک درہم میں خریدوں گا۔ آپ نے دو تین بار فرمایا: ایک درہم سے زیادہ کون دے گا؟ ایک آدمی نے کہا: میں انہیں دو درہم میں خریدوں گا۔ آپ ﷺ نے وہ

چیزیں اُسے دیں اور دو درہم لے کر انصاری کو دیتے ہوئے فرمایا: ان میں سے ایک درہم سے کھانے کا سامان خرید کر اپنے گھر والوں کو دے دو اور دوسرے سے کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔ پھر وہ انصاری کلہاڑی لے کر آپ ﷺ کے پاس لے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کلہاڑی پر ایک دستہ لگایا اور فرمایا: جاؤ، لکڑیاں جمع کرو اور اسے بیچو، اور میں پندرہ دنوں تک تمہیں نہ دیکھوں۔ وہ آدمی چلا گیا اور لکڑیاں جمع کر کے بیچنے لگا۔ جب اُس نے دس درہم کما لیئے تو وہ آپ ﷺ کے پاس آیا، اس نے ان میں سے کچھ کے کپڑے اور باقی سے کھانا خریدا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے لیے اُس بھیک مانگنے سے بہتر ہے جو قیامت کے دن وہ تمہارے چہرے پر داغ بن کر آتی۔ بھیک مانگنا صرف تین لوگوں کے لیے درست ہے: ایک وہ جو غربت کی چکی میں پس رہا ہو، دوسرا وہ جو قرض میں بہت بُری طرح پھنس گیا ہو، یا وہ جس کے ذمہ ادائیگی ہو اور اسے وہ ادا کرنا مشکل ہو رہا ہو"۔

چنانچہ مسلمانوں کے امام کے لیے قانونی حکم یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو کام کرنے اور روزی کمانے کے ذرائع فراہم کرے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو ایک شخص گزشتہ 75 سالوں میں پاکستان میں آنے والی تمام قومی قیادتوں سے یہ سوال پوچھ سکتا ہے کہ معدنیات اور وسائل سے مالا مال صوبہ بلوچستان میں رہنے والے لوگوں کی جامع ترقی کے لیے کیا پالیسی بنائی گئی؟

صحیح بخاری کی ایک روایت میں جابر نے فرمایا: إِنَّا يَوْمَ الْخَنْدَقِ نَحْفِرُ فَعَرَضَتْ كُدْيَةٌ شَدِيدَةٌ فَجَاءُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا هَذِهِ كُدْيَةٌ عَرَضَتْ فِي الْخَنْدَقِ فَقَالَ أَنَا نَازِلٌ ثُمَّ قَامَ وَبَطْنُهُ مَعْصُوبٌ بِحَجَرٍ وَلَبِثْنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لَا نَذُوقُ ذَوَاقًا فَأَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِعْوَلَ فَضَرَبَ فَعَادَ كَثِيبًا "ہم (خندق) کے دن (خندق) کھود رہے تھے کہ ہمیں ایک بڑی ٹھوس چٹان نظر آئی۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور کہا کہ یہاں خندق کے پار ایک چٹان نظر آ رہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نیچے آ رہا ہوں، پھر آپ ﷺ اٹھے، ان کے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہوا

تھا کیونکہ ہم نے تین دن سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ چنانچہ نبی ﷺ نے کھودل لے کر بڑی ٹھوس چٹان پر اس طرح مارا کہ وہ ریت کی طرح ہو گئی"۔

غور کریں کہ صحابہ کرامؓ نے چٹان کے بارے میں کس طرح رسول اللہ ﷺ سے رابطہ کیا اور آپ ﷺ نے جواباً فوری طور پر خندق میں اُتر کر چٹان کو توڑ ڈالا۔ اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ جب نیچے اُتر رہے تھے تو صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا دیکھا جو کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے تھا۔ نبی کریم ﷺ کے پیٹ پر بھوک کی شدت سے پتھر بندھے ہونے کی روایت بہت مشہور ہے اور کثرت سے بیان کی گئی ہے۔ باریک بینی سے مشاہدہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ کس طرح اصحابِ کرام رسول اللہ ﷺ سے مدد مانگنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ بغیر کسی درجے اور رتبے کے بہانے کے، اُن کی مدد فرماتے تھے۔ مسلمانوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی بھی مسئلہ رسول اللہ ﷺ کا مسئلہ تھا، آپ ﷺ جس طرح تکلیف اٹھاتے تھے وہ اس لیے تھا کیونکہ آپ ﷺ ان کے سیاسی رہنما تھے۔ اور آپ ﷺ نے امت کے مسائل کے لیے اپنی ہمدردی کو اپنے عمل سے واضح طور پر ظاہر کیا۔

اس کے مقابلے میں جب ہم آج پاکستان کے جمہوری نظام کے پیدا کردہ حکمرانوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں حکمرانوں اور امت کے درمیان مکمل خلاء نظر آتا ہے۔ 28 جون 2022 کو کراچی شہر بھر میں بجلی کی زیادہ بندش پر مظاہروں کے دوران ماڑی پور کے علاقے میں احتجاج کے دوران پولیس کی کارروائی کے نتیجے میں ایک خاتون جاں بحق ہو گئی۔

انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ "تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے" (صحیح بخاری)۔**

یہ اب کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ اس سرمایہ دارانہ جمہوریت میں یہی وہ حکمران ہیں کہ جنہیں عوام پر پڑنے والی مشکلات کا کوئی احساس نہیں، یہ صرف اپنی خواہشات کو مد نظر رکھتے ہوئے پالیسیاں بناتے ہیں۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خود تو بجلی کے بریک ڈاؤن سے نپٹنے کے لیے خود کار جنریٹر والے بنگلوں میں رہتے ہیں، عوام اور حکمرانوں کے درمیان فرق کا یہ عالم ہے کہ شہباز شریف عدالتی سماعتوں پر پراڈو گاڑی میں آتا ہے جبکہ اُس کے مسلح گارڈ ڈالوں میں سوار ہوتے ہیں، اور سپریم کورٹ آدھی رات کو بھی سماعت کرتی ہے تاکہ ایک سابقہ منتخب حکومت کو، نام نہاد غیر جانبداروں کے کہنے پر ہٹایا جا سکے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے حکمرانی کرنے والے، رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا، **وَالضّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيّ عِنْدِي حَتّى أُرِيحَ عِنْدِي حَتّى أُرِيحَ فِيْدِي حَتّى أُرِيحَ فِيْدِي حَتّى أُرِيحَ فِيْدِي حَتّى أُرِيحَ فِيْهِ عَلَيْهِ حقّهُ. آخُذَ الحَقّ مِنْهُ إِنْ شَاءَ اللّهُ "تم میں سے کمزور میرے سامنے اس وقت تک قوی ہے جب تک میں اس کا حق اس کو واپس نہ دِلا دوں، اور تم میں سے طاقتور میرے سامنے کمزور ہے جب تک کہ میں ان سے حق نہ لے لوں، ان شاءاللہ"**۔ خلیفہ ہونے کے ناطے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہر فرد کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھنا ریاست کی ذمہ داری سمجھی۔ کمزوروں کے حقوق کے لیے ذمہ داری کا احساس نواز شریف اور آصف زرداری جیسے لوگوں کو کہاں ہوگا، جو اپنے علاج کے لیے بیرون ملک اس لیے سفر کرتے ہیں کہ ملک میں صحت کی سہولیات کی فراہمی ناکافی ہے، جس کیلئے اتفاق سے وہ خود ہی ذمہ دار بھی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بچوں کے لیے وظیفہ دینے کا معاملہ مشہور ہے اور انھوں نے یہ شرط رکھی کہ بچوں کو اس وقت تک کوئی وظیفہ نہیں دیا جائے گا جب تک ان کا دودھ چھڑا نہ دیا جائے۔ اس کی وجہ سے فطری طور پر والدین بچوں کے لیے وظیفہ حاصل کرنے کی خواہش میں دودھ چھڑانے کی مدت کو کم کر دیتے تھے۔ خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک رات نگرانی کے دوران ایک بچے کے رونے کی آواز سنی، تو آپؓ نے اس کی ماں سے کہا، **اتق الله تعالي**

وأحسني إلى صبيك "اللہ سے ڈرو اور اپنے بچے کے ساتھ اچھا سلوک کرو" وہ واپس چلے گئے، لیکن اُنہیں بچے کے رونے کی آواز دوبارہ سنائی دی تو آپؓ نے ماں سے اپنی نصیحت دہرائی۔ لیکن جب آپؓ نے ایک بار پھر اُس بچے کے رونے کی آواز سنی تو سخت لہجے میں کہا، **ویحك إني لأراك أم سوء، مالي أرى ابنك لا يقر منذ الليلة؟ "افسوس آپ پر! میں آپ کو ایک بری ماں کے طور پر دیکھتا ہوں۔ آپ کے بچے کو سکون سے نیند نہیں آئی"**۔ یہ نہ جانتے ہوئے کہ وہ خلیفہ سے مخاطب ہے، اُس نے عورت نے جواب دیا، **يا عبد الله قد أبرمتني منذ الليلة إني أريغه عن الفطام فيأبى** "اے اللہ کے بندے! میں اسے زبردستی دودھ چھڑانے کی کوشش کر رہی ہوں لیکن وہ انکار کر رہا ہے۔ یہ پوچھنے پر کہ وہ زبردستی دودھ کیوں چھڑوا رہی ہے، عمر رضی اللہ عنہ کو جواب ملا **لأن عمر لا يفرض إلا للفطيم "کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ دودھ چھڑنے والے بچے کے علاوہ وظیفہ نہیں دیتے"**۔ چنانچہ فجر کی نماز ادا کرتے اور روتے ہوئے عمر رضی اللہ عنہ کہتے، **يا بؤسا لعمر كم قتل من أولاد المسلمين "عمر برباد ہو گیا، اس نے مسلمانوں کے بچوں کو قتل کیا ہے"**۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کروایا کہ اب سے ہر دودھ پینے والے بچوں اور دودھ چھڑانے والے بچوں، دونوں کو ریاست کی طرف سے وظیفہ ملے گا۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے کے باوجود ایک بچے کے دودھ چھڑوانے سے رونے پر ماں سے بات چیت کر رہے تھے۔ آپ کے لیے عورت اور بچے کا حق ان کی پہلی ترجیح اور فکر مندی کی بات تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے خود سے نادانستہ طور پر سرزد ہونے والے مصائب کو محسوس کیا اور فوراً اپنے سابقہ احکامات کو منسوخ کر دیا اور اِن کی جگہ بہتر احکامات کو لاگو کیا۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں جہاں اسلام کا نظام پروان چڑھتا ہے، حکمرانوں میں یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امت کی دیکھ بھال کریں جیسا کہ وہ خود اپنی کرتے ہیں۔ جمہوریت اس سے متضاد صورت حال پیدا کرتی ہے، جہاں حکمران امت کی تکلیفوں کے عوض فائدے اٹھاتے ہیں۔

موجودہ حکومت کا طرزِ عمل یہ ہے کہ عوام قربانیاں دے کر ملکی معیشت کو مستحکم کرے، حکومت عالمی قیمتوں کے مطابق توانائی کی قیمتوں میں اضافہ کر رہی ہے، تنخواہ دار طبقے کے ذاتی انکم ٹیکس میں اضافہ کر رہی ہے، صنعتوں پر 10 فیصد، ون ٹائم سپر ٹیکس لگا کر اربوں روپے صرف منافے کی مد میں کمارہی ہے۔ کسی بھی طرح ان پالیسیوں سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس میں ایک دلچسپ تضاد کو اجاگر کر کے واضع کیا جاسکتا ہے،اور وہ یہ کہ پارلیمنٹریز ٹیکس ڈائرکٹری (Parliamentarians Tax Directory) برائے 2019، جو 2022 میں شائع ہوئی، اس کے مطابق 342 وفاقی وزراء میں سے 312 کی تفصیلات کچھ یوں ہیں۔ 312 وفاقی وزراء کی کل آمدنی 957 کروڑ روپے تھی، ٹیکس کی موثر شرح، یعنی جس پر انکم ٹیکس ادا کیا گیا، 4.28 فیصد تھی۔ سب سے زیادہ کمانے والے وفاقی وزیر نے اپنی 187 کروڑ روپے کی اعلان کردہ آمدنی پر 7.5 فیصد کی شرح سے ٹیکس ادا کیا اور ٹیکس کی سب سے کم شرح 14 کروڑ روپے کی آمدنی پر 0.7 فیصد تھی۔ 4.28 فیصد کی مجموعی موثر شرح کا اطلاق 7.5 فیصد سے 0.7 فیصد کی ٹیکس بریکٹ کی بنیاد پر کیا گیا تھا۔

یہی جمہوریت کی حقیقت ہے۔ اور جب قانون سازی کی ذمہ داری ان وزراء کے سپرد کی جاتی ہے، تو کسی کو شک نہیں کہ ان کو فائدہ پہنچانے والے ٹیکس قوانین پر نظر ثانی نہیں کی جائے گی۔ یہ بے حس حکمران جمہوریت کے کرپٹ نظام کی فطری پیداوار ہیں جنھیں اکھاڑ پھینکنا اور اس کی جگہ اسلام کا نظامِ خلافت لانا ضروری ہے۔ اور خلافت کی واپسی کے بارے میں حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافتِ راشدہ کے عدل کا وعدہ کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **تَكُونُ النُّبُوَّةُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا عَاضًّا فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ** **"نبوت رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب چاہے گا اسے ختم کر دے گا، پھر نبوت کے طریقے پر خلافت ہو گی اور جب تک اللہ چاہے گا، پھر اسے**

ختم کردے گا، پھر جب تک اللہ چاہے گا، کاٹنے کھانے والی حکمرانی رہے گی، پھر جب چاہے گا اسے ہٹادے گا، پھر جب تک اللہ چاہے گا ظالم حکومت ہو گی، پھر جب وہ چاہے گا اسے ہٹادے گا اور پھر نبوت کے طریقے پر خلافت ہو گی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے "(احمد)۔

فہرست

طالبان عالمی برادری سے افغانستان میں اپنی حکومت کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ مطالبہ کون کر رہا ہے اور کس سے کر رہا ہے؟!

بلال مہاجر—ولایہ پاکستان

بین الاقوامی برادری کا کسی بھی ریاست کو تسلیم کرنے کا مطلب اُن ریاستوں کی جانب سے اُس ریاست کے وجود کو اپنی جماعت کا ایک رکن تسلیم اور قبول کرنا ہوتا ہے۔اس طرح یہ ریاست کے قیام یا تخلیق سے ایک مکمل طور پر الگ عمل ہے۔ تسلیم اس وقت کیا جاتا ہے جب ریاست کی طرف سے کسی دوسری ریاست کی علاقائی خودمختاری میں مداخلت نہ کرنے کا عہد کیا جائے۔مذکورہ ریاست بین الاقوامی برادری میں اپنے حقوق حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ عالمی برادری اس کے وجود کو تسلیم نہ کر لے۔جب ایک ریاست، جو خود کو تسلیم کروانا چاہتی ہے،اس بات کا عہد کرے کہ وہ بین الاقوامی قوانین کے تحت خود پر عائد ہونے والی ذمہ داریاں پوری کرے گی تو اس کے بدلے میں بین الاقوامی قانون کسی ریاست یا ریاستوں کے گروپ کی طرف سے اُس ریاست کو تسلیم کیے جانے کی صورت میں ایک متعین علاقائی حدود کے اندر سفارتی تعلقات کا اہتمام کرتا ہے۔تاہم بین الاقوامی قوانین اور ضوابط کے تحت ریاست کو تسلیم کیے جانے کے حوالے سے یہ صرف ایک قانونی نقطہ نظر ہے۔

جہاں تک بین الاقوامی برادری کی جانب سے طالبان کی حکومت کو تسلیم کرنے کی بات ہے، تو یہ طالبان کی جانب سے دنیا کے استعماری ممالک اور ان کے سرغنہ امریکہ کے مفادات کے سامنے جھکنے پر منحصر ہے۔ جب تک تحریک طالبان اس بات کی گارنٹی نہیں دیں گے اور بین الاقوامی برادری،اور امریکہ کو مطمئن نہیں کریں گے کہ وہ امریکی مفادات کے لیے کام کرنے لیے مکمل طور پر تیار ہے اور وہ اس سے بالکل بھی انحراف نہیں کریں گے،تب تک بین الاقوامی برادی ان کو ہرگز تسلیم نہیں کرے گی۔یعنی تحریک طالبان کو بین الاقوامی برادری سے اپنے آپ کو تسلیم کروانے کے لیے اسلام سے مکمل طور پر دستبردار ہو کر دل وجان سے مغربی سرمایہ دارانہ نظام کو اپنانا ہو گا، یہاں تک کہ

کپڑے کم اور داڑھیاں منڈانی (شیو کرنا) ہو نگی۔۔۔ بلکہ اس حد تک جانا ہو گا کہ وہ اسلام نافذ نہ کرنے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں عالم اسلام میں قائم دیگر باقی ایجنٹ ریاستوں کے قافلے میں شامل ہوں، اور وہ امریکہ کے دلال اور ایجنٹ بن کر اس کی جنگ لڑیں، جیسا کہ پاکستان میں پے در پے آنے والی حکومتوں نے کیا ہے۔

شاید مغرب کو اُن (طالبان) کی ضرورت پڑنے کی جانب اشارہ کرنے کا (حقانی) کا یہی مقصد ہے، شاید وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس فرمان کو بھول گئے ہیں، وہ اللہ جو ظاہر و باطن، ہر چیز سے باخبر ہے اور اس بات کو بھی جانتا ہے جو کافروں کے دلوں میں چھپی ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **(وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ) "یہود و نصاریٰ اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کی ملت کی پیروی نہ کرو گے، کہہ دیجیئے کہ ہدایت تو صرف اللہ کی ہدایت ہے، تمہارے پاس اللہ کی طرف سے اس علم کے آنے کے بعد اگر تم نے اُن (کفار) کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی طرف سے تمہارا کوئی کار ساز اور مدد گار نہیں ہو گا۔"** (البقرۃ، 2:120)۔

جب تک تحریک طالبان اس طرح مکمل پسپائی اختیار نہیں کریں گے، بین الاقوامی طور پر اُن کو کوئی تسلیم نہیں کرے گا، یوں وہ نہ ظالم بین الاقوامی ٹولے کا اور نہ اس بہترین امت کا حصہ بن پائیں گے جس کو لوگوں کی ہدایت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

تحریک طالبان کی جانب سے افغانستان میں اقتدار سنبھالنے کے کچھ مہینوں بعد یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ کفار اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں جو اپنے وعدوں اور معاہدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ امریکہ نے طالبان کے ساتھ طے پانے والے نقات میں سے چند نقات کو بھی پورا نہیں کیا، جس میں تحریک کو تسلیم کرنا، چاہے محض رسمی طور پر ہی سہی، اور ساتھ ہی افغان عوام کی وہ رقم بھی جاری نہیں کی جو اس کے پاس موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: **(أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَبَذَهُ فَرِيقٌ مِنْهُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ) "جب بھی یہ عہد**

کرتے ہیں ان میں سے ایک فریق عہد شکنی کرتا ہے بلکہ ان کی اکثریت ایمان ہی نہیں رکھتی۔"(البقرة، 2:100)۔ طالبان پر فرض ہے کہ غیر ملکی طاقتوں کے ساتھ کسی قسم کے مذاکرات اور نہ ہی کوئی معاہدہ کریں کیونکہ ذلت ورسوائی کے علاوہ ان سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ اُن طاقتوں سے خود کو تسلیم کروانا چاہتے ہیں جو اپنی فطرت میں استعماری ہیں۔ طالبان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کے ساتھ انصاف کریں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے اور کسی سراب کے پیچھے نہ بھاگیں، **(...يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا...)** **"پیاسا اس کو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے اس کو کچھ بھی نہیں پاتا۔۔"(النور، 24:39)**۔ طالبان پر فرض ہے کہ وہ امت کی جانب متوجہ ہوں، ایک ایسی ریاست قائم کریں جہاں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی مکمل حکمرانی ہو، اور افغانستان اور پاکستان سے شروع ہو کر دیگر مسلم علاقوں کے مسلمان بھائیوں کو اس اسلامی ریاست میں یکجا کر دیں۔ اس کے بعد نہ تو طالبان اور نہ ہی اربوں کی امت کو کبھی بھی صلیبیوں کی عالمی برادری سے خود کو قبول کروانے کی ضرورت ہوگی۔ اس کے بجائے، عالمی برادری امت کو مطمئن کرنے کی کوشش کرے گی، اس سے پہلے کہ ان کے قلعے تباہ ہو جائیں، ان کے تخت گر جائیں، یہاں تک کہ اس دین کا معاملہ ان کے دروازے تک پہنچ جائے۔ تو کیا اب طالبان حزب التحریر کے مخلص سیاست دانوں کو اختیار سونپ کر اس کی تلافی کریں گے جو وہ کھو چکے ہیں؟ یہ حزب التحریر کے مخلص سیاست دان ہی ہیں جنہوں نے نبوت کے نقش قدم پر خلافت کے قیام کے لیے جامع تیاری کی ہوئی ہے۔ درحقیقت یہ وہ ہوشیار سیاست دان ہیں جو صلیبی عالمی برادری کی منافقت سے نمٹنے اور اُن کے فریب کو انہی پر پھیرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ * وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ)** **"اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف دعوت دیں جس میں تمہارے لیے حیات ہے۔ جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے**

درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے، اور اس فتنے سے ڈرو جو صرف تم میں سے ظالموں کو ہی اپنے لپیٹ میں نہیں لے گا اور جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"(الانفال، 8:24)۔

فہرست

وہ تمام لوگ جو امریکی غلامی سے نجات کی خواہش رکھتے ہیں، انہیں لازماً 'نبوت کے نقشِ قدم پر دوبارہ خلافت' کے قیام کی جدوجہد کرنی چاہیے

حزب التحریر ولایہ پاکستان

پورے ملک میں، عوام الناس سے لے کر اہلِ قوت تک میں، ملکی حالات پر بحث چھڑی ہوئی ہے؛ یہ بحث امریکی ڈالر کے مقابلے میں روپے کی گرتی ہوئی قدر اور امریکی ڈرون طیاروں کے پاکستان کی فضائی حدود کو استعمال کرنے سے بڑھ کر اس نکتے پر پہنچ گئی ہے کہ آخر پاکستان حقیقی معنوں میں آزاد کیسے ہو گا۔ پاکستان کی سیاسی و فوجی قیادت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نازل کردہ وحی کی بنیاد پر حکمرانی نہیں کرتی، اور اب اِس قیادت کی جانب سے پیش کیے جانے والے بہانے اور دعوے بے نقاب ہو چکے ہیں۔ سات دہائیوں سے یہ قیادت کہتی آئی ہے کہ امریکیوں کی اطاعت کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کیونکہ امریکی ڈالروں کے بغیر ہماری بقا ممکن نہیں۔ اس بہانے کے تحت اس قیادت نے 2001ء میں افغانستان پر قبضے میں امریکہ کی مدد کی، 2003 میں امریکی حکم پر کشمیر سے دستبرداری اختیار کر لی، یہاں تک کہ اگست 2019ء میں مقبوضہ کشمیر کو مکمل طور پر مودی کی جھولی میں ڈال دیا۔ پچھلے کئی سالوں سے اس قیادت نے امریکی ڈرون طیاروں کو پاکستان کی فضائی حدود کو استعمال کرنے کی اجازت دے رکھی ہے، جس کے نتیجے میں امریکہ ہماری حساس تنصیبات کی جاسوسی کر سکتا ہے اور ڈیورنڈ لائن کے دونوں جانب عدم استحکام پیدا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ ہماری صورتحال تسلسل سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے جبکہ یہ قیادت اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ ہمارے پاس ان پالیسیوں کے نفاذ کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

ڈالروں پر ہمارے اس قدر انحصار کی بنیادی وجہ در حقیقت پاکستان کی یہی قیادت ہے۔ اس قیادت نے بھاری صنعتوں کو فروغ نہیں دیا کہ ہم خود اپنی مشینری اور انجن بنا سکیں اور ہمیں مہنگی درآمدات کی ضرورت ہی نہ رہے۔ یہ

قیادت خلافت قائم نہیں کرتی کہ جو توانائی کے ذخائر سے مالا مال مسلم علاقوں کو یکجا کر دے، یوں ہمیں مہنگی توانائی کے وسائل درآمد ہی نہ کرنے پڑیں۔ یہ قیادت ہماری کرنسی اور تجارت کو ڈالر سے منسلک کرتی ہے جبکہ اسے اسلام کے حکم کے مطابق سونے اور چاندی سے منسلک ہونا چاہیے۔ **اس طرح یہ قیادت ہمارے پیر پر ہتھوڑا مارتی ہے اور پھر کہتی ہے کہ لنگڑا کر چلنا تو ہماری مجبوری ہے!** کیا اب وقت نہیں آگیا کہ ہم ایک نئی قیادت کے قیام کے لیے سرگرم عمل ہوں یا کم از کم سنجیدگی سے اس حوالے سے غور کریں، ایسی قیادت جو قرآن و سنت کے احکامات کے ذریعے حکمرانی کرے؟ بے شک اس امر سے سب لوگ آگاہ ہیں کہ باقی مسلم دنیا کی طرح پاکستان بھی ہر طرح کے وسائل سے مالا مال ہے جس میں توانائی، معدنیات، زرخیز زمین اور نوجوان آبادی شامل ہیں۔ ہمیں صرف جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایسی قابل قیادت ہے جو ہمارے اور ہمارے دین کے ساتھ مخلص ہو۔ ایسی قیادت کی عدم موجودگی میں تباہی کے علاوہ کسی چیز کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے استعماری اداروں کے ساتھ کئی دہائیوں سے جاری معاشی معاہدوں اور اربوں ڈالرز کے قرضوں کے حصول کے بعد کیا پاکستان کی قیادت نے ہمیں کسی بہتر مقام پر پہنچایا ہے؟ اس معاشی سمت نے ہماری معیشت کو سودی لین دین کرنے والوں کے لیے سونے کی چڑیا بنا دیا ہے۔ پاکستان کی ٹیکس آمدنی کا زیادہ تر حصہ اب سودی ادائیگیوں پر خرچ ہوتا ہے، جبکہ پاکستان کا قرضہ سودی ظلم کے نتیجے میں آسمان کو چھو رہا ہے۔ 1971ء میں پاکستان کا قرضہ 30 ارب روپے تھا جبکہ 2021ء میں یہ قرضہ بڑھ کر 40 ہزار ارب روپے سے زائد ہو چکا ہے۔ اس طرح سود پر قرض دینے والے ادارے، بالخصوص بین الاقوامی استعماری ادارے، جونک کی مانند ہمارا خون چوس رہے ہیں۔ اس دگرگوں صورتحال کے باوجود، موجودہ قیادت جو کہ امریکہ کے ایجنٹوں پر مشتمل ہے، صرف اپنے تخت بچانے کی خاطر امریکہ کی حمایت حاصل کرنے میں مشغول ہے، جب کہ سود کے اس گناہِ کبیرہ پر اڑے رہتے ہوئے اللہ سبحانہُ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلانِ جنگ کی مرتکب ہو رہی ہے۔

قرضوں میں اضافہ مزید سخت اور نقصان دہ استعماری مطالبوں کا باعث بنتا ہے، اور پاکستان کی یہ قیادت ہماری تنگی اور مصیبتوں کی پرواہ کیے بغیر ان مطالبات پر بے دریغ عمل درآمد کرتی ہے۔ پس یہ قیادت ہمارے توانائی اور معدنی وسائل کو پرائیویٹائز کرتی ہے، جس کے نتیجے میں ممکنہ بھاری محصولات ریاستی خزانے کی بجائے نجی کمپنیوں کی تجوریوں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ لامحالہ یہ قیادت ٹیکسوں میں اضافے اور سبسڈی کے خاتمے کا اعلان کرتی ہے، جس سے ہماری صنعت اور زراعت کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ استعماری مطالبات کے ہی مطابق یہ قیادت روپے کو مسلسل کمزور ہونے دیتی ہے، اور عوام مہنگائی کی دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں۔ پس واضح ہے کہ معاشی طور پر ملک میں قیادت کا بحران ہے۔ اس کا حل صرف اسلامی معاشی نظام ہے جس کو خلافتِ راشدہ نافذ کرے گی۔

جہاں تک امریکہ کے ساتھ فوجی اتحاد کا تعلق ہے، تو یہ پاکستان کے لیے تباہی لے کر آیا ہے۔ پاکستان ہتھیاروں کی سپلائی کے لیے خطرناک حد تک امریکہ پر انحصار کرتا ہے۔ غیر ملکی فوجی تربیتی دوروں کے دوران امریکہ ہماری فوج میں اپنے لیے ایجنٹ تلاش کرتا ہے۔ قریبی فوجی رابطوں کے ذریعے فوجی راز حاصل کیے جاتے ہیں۔ امریکہ کے ساتھ اتحاد کا تمام ترجھکاؤ بڑی استعماری طاقت امریکہ کے حق میں ہے، جس کے نتیجے میں پاکستان کی فوج، انٹیلی جنس اور فضائی حدود کو خطے میں امریکہ کے مقاصد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ امریکی استعمار کی بجائے کسی اور استعماری طاقت، جیسا کہ روس یا چین کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا جائے کیونکہ مومن ایک ہی سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا! یہ بھی کافی نہیں کہ اس بات پر غم و غصے کا اظہار کیا جائے کہ امریکہ نے 1965 اور 1971 میں بھی ہمیں دھوکہ دیا اور اب وہ بھارت کو علاقائی طاقت بنا رہا ہے۔

اگرچہ اسلام یہ وسیع فوجی ویژن دیتا ہے کہ مقبوضہ علاقوں کو آزاد کرایا جائے اور نئے علاقوں کو اسلام کی رحمت اور عدل سے روشناس کرایا جائے، لیکن موجودہ قیادت نے اس بات کو یقینی بنا رکھا ہے کہ ہم بدستور تقسیم رہیں اور نتیجتاً دشمن کے سامنے کمزور رہیں۔ کیونکہ اس نے وحدت کی بجائے وطنیت پرستی، قومی ریاستی ماڈل اور مغرب کے عطا کردہ بین الاقوامی آرڈر کو اختیار کر رکھا ہے۔ ہماری فوج اور انٹیلی جنس کو اس کے بھرپور کردار سے روکا گیا ہے، اور

ان کی حیثیت محض ایک آلہ کار کی بن گئی ہے کہ جس کا کام اس کرپٹ قیادت کے ڈولتے ہوئے اقتدار کو ایک ایسے وقت سہارا دینا ہے کہ جب اس کے خلاف غصہ بڑھتا جارہا ہے۔ یہ صرف خلافت ہی ہو گی جو اسلام کی بنیاد پر ایک آزاد خارجہ اور داخلہ پالیسی اپنائے گی اور امریکہ کا کنٹرول ہمیشہ کے لیے ختم کردے گی۔ یہ صرف خلافت ہی ہو گی جو مسلم دنیا کو ایک ریاست کی شکل میں یکجا کر کے اسے مسلمانوں کے لیے ایک طاقتور اور مضبوط ڈھال میں تبدیل کر دے گی۔ یہ صرف خلافت ہی ہو گی جو امریکہ جیسی تمام دشمن ریاستوں کے ساتھ اتحاد ختم کر دے گی، اور ان کے ساتھ جنگی بنیادوں پر نمٹے گی۔ خلافت گراں قدر بھاری صنعت کی تعمیر کرے گی تاکہ بیرونی اسلحے پر انحصار ختم ہو سکے، اور خلافت اسلام اور مسلمانوں کے ثابت شدہ دشمنوں کے ساتھ ہر قسم کے تعاون اور حساس رابطے ختم کر دے گی۔

اے پاکستان کے مسلمانو! نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے دوبارہ قیام کے لیے آج سے حزب التحریر کے ساتھ مل کر کام کرو تاکہ بالآخر ہم پر ایسے حکمرانوں کا سایہ ہو جو ہم پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی کے مطابق حکمرانی کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، **وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ "جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں حکمرانی عطا کرے گا"** (النور، 24:55)۔ یقیناً نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کا دوبارہ قیام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد و نصرت سے ہی ہو گا، اور یہ نصرت اُنہیں حاصل ہو گی جو اِس دین پر ایمان رکھتے ہیں اور صرف اسی دین کے نفاذ کے لیے کام کرتے ہیں۔ پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دین کو ایک آئین و ریاست کی صورت میں دوبارہ قائم کرنے کے لیے حزب التحریر کے ساتھ کام کریں۔ یقیناً، اس وقت تک کوئی حقیقی تبدیلی نہیں آسکتی جب تک حزب التحریر کی قیادت میں چلنے والی تحریک کے ذریعے نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم نہ ہو جائے۔

اے افواج پاکستان کے مسلمانو! رسول اللہ ﷺ نے ذاتی طور پر عسکری طاقت رکھنے والوں سے اللہ کے دین کے لیے نصرت طلب کی تھی، آپ ﷺ یہ پوچھا کرتے تھے، **فَهَلْ عِنْدَ قَوْمِكَ مِنْ مَنَعَةٍ؟ "کیا تم لوگوں کے پاس طاقت ہے؟"**۔ پس عقبہ کے مقام پر نصرت کی بیعت دیے جانے کے بعد شدید اندرونی مسائل سے

دوچار یثرب، مدینہ منورہ کی مضبوط ریاست میں تبدیل ہو گیا،ایک ایسی ریاست جس نے اس وقت کی بڑی عالمی طاقتوں کے دروازوں تک اسلام کی دعوت کو پھیلا دیا،اور لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی راہ میں حائل مادی رکاوٹوں کو جہاد کے ذریعے دور کیا، جس کے بعد لوگوں نے جوق در جوق اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا۔ پس آپ لوگ نبوت کے نقش قدم پر خلافت کے دوبارہ قیام کے لیے ابھی اپنی نصرت فراہم کریں۔اے اللہ کے سپاہیو! نصرت فراہم کرنا آپ پر شرعی فریضہ ہے، لہٰذا ابھی اپنی نصرت حزب التحریر کو فراہم کرو۔

14 محرم 1444 ہجری	**حزب التحریر**
12 اگست 2022ء	ولایہ پاکستان

فہرست

اسلامی ریاست

شیخ تقی الدین النبہانی کی کتاب، "اسلامی ریاست"، سے اقتباس

موجودہ نسل کو وہ اسلامی ریاست یاد نہیں، جس نے اسلام کا نفاذ کیا تھا۔ اور وہ لوگ جو اسلامی ریاست کے آخری دور (یعنی خلافتِ عثمانیہ) میں موجود تھے، جس کے خلاف مغرب اپنے حملوں کے ذریعے برسرِپیکار تھا، انہوں نے بھی بس اسلامی ریاست کا بچا کچا ڈھانچہ دیکھا، جس میں بچی کچی اسلامی حکمرانی قائم تھی۔ اس لیے آج مسلمانوں کے لیے یہ مشکل ہو چکا ہے کہ وہ اِن بوسیدہ جمہوری حکومتوں کی بجائے، جو مسلم ممالک پر تھوپ دی گئی ہیں، اِسلامی طرزِ حکومت کا تصور ذہن میں لائیں۔ کیونکہ وہ اسی فاسد جمہوری نظاموں کو پیمانہ بناتے ہوئے حکمرانی کا تصور کرتے ہیں، جو اُن پر مسلط کردیے گئے ہیں۔ مسئلہ صرف یہی نہیں، بلکہ سب سے زیادہ مشکل کام تو اُن اذہان کی تبدیلی کا ہے جو مغربی تہذیب سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ مغربی ثقافت ہی وہ خنجر تھا کہ جس کے ذریعے اسلامی ریاست پر حملہ کیا گیا اور اسے اس بری طرح مجروح کیا یہاں تک کہ اسلامی ریاست نے دم توڑ دیا۔ پھر مغرب نے یہی خون آلود خنجر اسلامی ریاست کے بیٹوں کو بڑے فخر سے دکھایا اور کہا ہم نے تمہاری بیمار ماں کو ختم کر دیا ہے، جو ایک ماں ہونے کا حق نہیں ادا کر رہی تھی اور اب تمہارے لئے ایک ایسی زندگی ہوگی جس میں تم خوشی اور خوشحالی کے مزے لوٹو گے۔ پھر انہوں نے مسلمانوں کو اس قاتل سے ہاتھ ملانے کی پیشکش کی جس کے خنجر پر ابھی بھی وہ خون موجود تھا جو کبھی اُن کے ماں کے جسم میں گردش کیا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ چرخ (ایک شکاری کتّا جو بھیڑئے سے مشابہت رکھتا ہے) بھی اپنے شکار کے ساتھ یہی سلوک کرتا ہے۔ شکار دم بخود ہو کر اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے اور اسے اس وقت تک خبر نہیں ہوتی جب تک حملے کے نتیجے میں اس کا خون نہ بہنے لگے، یا پھر چرخ اسے کھانے کے لیے کسی وادی میں نہ لے جائے۔

پس مغربی تہذیب سے مرعوب یہ اذہان، کیسے یہ پہچان پاتے کہ مغربی ثقافت ہی وہ خنجر ہے جس نے ان کی ماں کو ہلاک کیا تھا اور اب وہی خنجر ان کی اپنی زندگی بلکہ پورے وجود کیلئے ہی خطرہ ہے۔ مغربی افکار مثلاً وطن پرستی، دین

کی دنیا کے امور سے علیحدگی اور ایسی آراء جن میں اسلام پر تنقید اور حملہ کیا گیا ہے اس زہر کی مثالیں ہیں جو اس ثقافت نے مسلمانوں کے اذہان میں انڈھیل دیا ہے۔ اس کتاب کا ایک باب جو مغربی مشنریوں سے متعلق ہے، ایسے اعداد و شمار اور حقائق سے لبریز ہے۔ یہ باب قاتل کی اصل نیت اور جرم کے محرک کو اُجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اُن اسالیب و ذرائع پر بھی روشنی ڈالتا ہے، جو قاتل نے اپنے اس مقاصد کیلئے اپنائے۔ مغرب کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ اسلام کو ختم کر دیں اور اس مقصد کیلئے اُس نے اِس صلیبی معرکے میں مغربی ثقافت کو مؤثر ترین ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔

مسلمانوں کو مغربی ثقافت کے سیاسی خطرات کا بالکل اندازہ نہیں تھا۔ ایک طرف تو مسلمان استعماری قوتوں کے تسلط کے خلاف مزاحمت اور لڑائی کر رہے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اُنہی کی مغربی ثقافت کو بھی اپنا لیا تھا، جبکہ یہ ثقافت ہی مسلمانوں کی سرزمین میں استعمار کے جڑ پکڑنے کی اصل وجہ تھی۔ المیہ یہ تھا کہ ایک طرف تو مسلمانوں نے دشمن سے معرکہ آرائی کی لیکن دوسری طرف وہ مغرب سے بغل گیر ہوئے اور اُن کا لایا ہوا زہر اس وقت تک سیر ہو کر پیا جب تک کہ وہ گھائل ہو کر گر نہ پڑے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ میدانِ جنگ میں حملے کا شکار ہوئے ہیں، جبکہ حقیقت میں وہ اپنی گمراہی اور بے خبری کا شکار ہوئے تھے!

وہ حملہ آور کیا چاہتے تھے: ایک ایسا ملک بنانا جس کی بنیاد اسلام نہ ہو یا مسلم علاقے پر کئی ممالک! مغرب نے عملی طور پر مسلمانوں پر حاکم بننے کے بعد اپنی وہ مہم پوری کر دی جس کے تحت اسلام کو حکومت سے بے دخل کر دیا گیا، مسلم علاقوں کے حصے بخرے کر دیے، اور مسلمانوں کو ایسی حکمرانی کے دھوکے میں مشغول کر دیا جو برائے نام تھی۔ وقت بوقت مغرب مسلمانوں کے مزید ممالک قائم کرتا ہے۔ اور جب تک مسلمان مغربی مفہوم و تصورات اور اصولوں سے چمٹے رہیں گے، وہ مزید ایسا کرنے پر کمربستہ رہے گا۔

اس وقت مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کئی ریاستیں بنیں، بلکہ یہ ہے کہ تمام مسلم علاقوں پر ایک ہی ریاست قائم ہو۔ نہ کہ کوئی ایسی ریاست جو خود کو اسلامی ریاست کہے مگر اسکے قوانین ان احکامات سے مختلف ہوں، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے

جاری کیئے ہیں، نہ ہی ایسی ریاست جو خود کو اسلامی ریاست کہے اور اسلامی احکامات نافذ بھی کرے لیکن بغیر اُس اسلامی فکری قیادت کے جس کے مسلمان حامل ہیں۔ یہاں اہم نکتہ یہ ہے کہ محض نام نہاد، برائے نام اور متعدد اسلامی ریاستیں نہیں بلکہ ایک اسلامی ریاست قائم ہو جو اسلامی طرزِ زندگی کا احیاء کرے، جسکی بنیاد اسلامی عقیدہ ہو اور جو اسلام کا مکمل نفاذ کرے۔ اور جب یہ عقیدہ لوگوں کے دل و دماغ میں مضبوطی سے پیوست ہو جائے تو یہ ریاست اسلام کی دعوت کو دنیا کے سامنے پیش کرے۔

اسلامی ریاست محض ایک خواب نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی خیالی تصور ہے، یہ تو تیرہ سو سال سے زائد عرصے تک تاریخ پر اثرانداز اور غالب رہی ہے۔ یہ ایک حقیقت رہی ہے اور ہمیشہ ایک حقیقت رہے گی۔ اسکے وجود کے عناصر اس قدر قوی ہیں کہ انہیں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ان سے معرکہ آرا ہوا جاسکتا ہے۔ روشن فکر لوگ اسے اپنا چکے ہیں اور یہ امت کی خواہش ہے، جو اسلام کے عروج واقبال کی منتظر ہے۔ اسلامی ریاست محض ایک خواب ہی نہیں ہے کہ صرف جسکی تعبیر کیلئے یہ ریاست قائم کی جائے، بلکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہے جو اس نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اس فرض کی تکمیل کی جائے۔ اور اللہنے اس فرض سے غفلت برتنے والے لوگوں کو عذاب سے خبردار کیا ہے۔

مسلمان کیسے اللہ ربّ العزت کی خوشنودی حاصل کر پائینگے اگر ان کے ممالک میں اللہ کا کلمہ بلند نہیں۔ اور نہ ہی، اللہ، اسکے رسول ﷺ اور مومنوں کیلئے عزت ہے؟ وہ کیسے اسکے عذاب سے بچ پائینگے جب وہ ایسی اسلامی ریاست قائم نہیں کرتے جو جہاد کیلئے افواج کو تیار کرے، اپنی سرحدوں کی حفاظت کرے، اللہ کے قوانین کو نافذ کرے، اسکے نازل کردہ احکامات کو جاری وساری کرے؟ چنانچہ مسلمانوں پر اسلامی ریاست کو قائم کرنا لازم ہے، کیونکہ اس کے بغیر اسلام کا وجود موئثر نہیں ہو سکتا، اور اسلامی سرزمین دار الاسلام نہیں بن سکتی ہیں جب تک کہ اس سرزمین پر اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکومت نہ ہو۔

اسلامی ریاست آسانی سے قائم ہونے والی نہیں ہے۔ موقع پرست اس سے کسی قسم کی امید نہ لگائیں کہ وہ اس میں کوئی عہدہ حاصل کرلیں گے۔ یہ راہ بڑی خاردار ہے،اس میں کئی خطرات، رکاوٹیں اور سخت مشقّتیں ہیں۔اس کے علاوہ ایک بڑی رکاوٹ وہ مغرب نواز حکومتیں ہیں جو غیر اسلامی ثقافت اور سطحی سوچ کی حامل ہیں۔ جو لوگ اسلامی ریاست کے قائم کرنے کی دعوت کی راہ پر چلیں گے، اُن کا مقصد یہ ہو گا کہ وہ اسلامی علاقوں میں اسلامی طرزِ زندگی کے از سرِ نو آغاز اور پوری دنیا میں اسلام کی دعوت کو پہنچانے کیلئے اتھارٹی حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حکومت کو کسی کے ساتھ بانٹ نہیں سکتے، خواہ یہ پیشکش کتنی ہی دلفریب اور جاذبِ نظر لگے۔ وہ حکومت کو بھی اُس وقت تک قبول نہیں کریں گے اگر وہ اسلام کو مکمل طور پر اور یکبارگی و بلا تاخیر نافذ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔

آخری بات یہ ہے کہ اس کتاب سے مقصود یہ نہیں کہ اسلامی ریاست کی تاریخ بیان کی جائے بلکہ اس کتاب کا مقصد اسلامی ریاست کے قیام کیلئے رسول اللہﷺ کے طریقِ کار کو بیان کرنا،اور اس ریاست کو ختم کرنے کیلئے کافر نوآبادیاتی استعمار کے سازشوں پر روشنی ڈالنا ہے۔ اس کتاب کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ اب مسلمانوں کو کس طرح اپنی ریاست کا احیاء کرنا ہے تاکہ وہ روشنی جس نے انسانیت کے تاریک ترین دور میں اقوام کی ہدایت کا سامان کیا وہی دوبارہ انسانیت کی ہدایت کا باعث بنے۔

فہرست

سوال کا جواب: سود (رِبا) بہر حال سود ہی ہے، خواہ دارُالاسلام میں ہو یا دارُالکفر میں

(عربی سے ترجمہ)

ابو حضیر کا سوال

سوال:

السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہٗ

میں چاہتا ہوں کہ آپ سود سے متعلق بالخصوص ابو حنیفہ اور سُفیان الثوری وغیرہ کی رائے واضح کر دیں، ان کی رائے میں دارُالکفر میں کوئی سود نہیں، یہ حضرات اپنی اس رائے کی بنیاد ایک حدیث پر رکھتے ہیں، جس میں ہے کہ **(لا ربا فی دارالکفر)"دارالکفر میں کوئی سود نہیں"**۔ نیز عباسؓ کے عمل سے بھی استدلال کرتے ہیں، کہ وہ دارُالکفر میں ربا کا معاملہ کرتے تھے، مزید یہ کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں مشرکین کے ساتھ رہن (قمار) کا معاملہ کیا تھا، اور اس میں رسول اللہ ﷺ نے بھی شرکت کی تھی، تو کیا اس قسم کی آراء کی تقلید جائز ہے؟ بالخصوص ایسے شخص کے لیے جس پر زمین باوجود اس کی وسعت کے تنگ کر دی گئی ہو۔ اُمید ہے آپ اس کو امیر محترم کو بھیج دیں گے، ان کی طرف سے جواب آنے پر مجھے واپس بھیج دیں، شکریہ۔

جواب:

ربا (سود) تمام حالات میں حرام ہے، خواہ دارُالاسلام میں ہو یا دارُالکفر میں، کیونکہ اس کے دلائل عام اور مطلق آئے ہیں جن میں کوئی تخصیص و قید نہیں، یہ بات قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے شرعی نصوص سے واضح ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبا لا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ * يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اُٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اُٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے ہو گا کہ انہوں نے کہا تھا کہ: تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت آگئی اور وہ (سودی معاملات سے) باز آگیا تو ماضی میں جو کچھ ہوا وہ اسی کا ہے۔ اور اسی (کی باطنی کیفیت) کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جس شخص نے لوٹ کر پھر وہی کام کیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو منکر گنہگار ہو"(البقرۃ: 276-275)۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ* فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ باقی سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔ اگر تم نے نہ چھوڑا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے اور اگر توبہ کر لو تو اصل مال تمہارا تمہارے واسطے ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا"(البقرۃ: 279-278)۔

مسلم نے عبادۃ بن الصامتؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَداً بِيَدٍ فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَداً بِيَدٍ»

"سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے، برابر، ایک جیسا، ہاتھ در ہاتھ، جب یہ مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیچ سکتے ہو، جبکہ ہاتھ در ہاتھ ہو"۔

مسلم نے بھی ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ يَداً بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ أَوْ اسْتَزَادَ فَقَدْ أَرْبَى الْآخِذُ وَالْمُعْطِي فِيهِ سَوَاءٌ«

"سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے، برابر، ایک جیسا، ہاتھ در ہاتھ، جس نے اضافہ کیا یا اضافے کا مطالبہ کیا، تو اس نے سودی معاملہ کیا، لینے اور دینے والا اس میں دونوں برابر ہیں"۔

اسی طرح ابو داؤد نے بھی حضرت عبادۃ بن الصامتؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ تِبْرُهَا وَعَيْنُهَا وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ تِبْرُهَا وَعَيْنُهَا وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ مُدْيٌ بِمُدْيٍ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ مُدْيٌ بِمُدْيٍ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ مُدْيٌ بِمُدْيٍ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مُدْيٌ بِمُدْيٍ فَمَنْ زَادَ أَوْ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبَى وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الذَّهَبِ بِالْفِضَّةِ وَالْفِضَّةُ أَكْثَرُهُمَا يَداً بِيَدٍ وَأَمَّا نَسِيئَةً فَلَا وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الْبُرِّ بِالشَّعِيرِ وَالشَّعِيرُ أَكْثَرُهُمَا يَداً بِيَدٍ وَأَمَّا نَسِيئَةً فَلَا«

"سونا سونے کے بدلے، اس کی ڈلیاں ہوں یا سکے، چاندی چاندی کے بدلے، خواہ اس کی ڈلیاں ہوں یا سکے، گندم گندم کے بدلے، برابر مقدار میں، جو جو کے بدلے برابر مقدار میں، کھجور کھجور کے بدلے برابر مقدار میں، نمک نمک کے بدلے، برابر مقدار میں، تو جس نے بڑھایا یا بڑھانے کا مطالبہ کیا تو اس نے ربا کیا، اور سونے کو چاندی کے بدلے اس طرح بیچنا کہ چاندی سونے سے زیادہ ہو، اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ ہاتھ در ہاتھ ہو، اگر تاخیر سے ہو تو جائز نہیں، اسی طرح گندم کو جو کے بدلے اس طرح بیچنا کہ جو زیادہ ہو، ہاتھ در ہاتھ، البتہ تاخیر سے ہو تو جائز نہیں"۔

ہماری کتابوں میں ربا سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کافی ہے، کتاب "اسلام کا نظامِ اقتصاد" (عربی صفحہ 250، انگریزی صفحہ 244، اردو صفحہ 280) میں آیا ہے:

[رِبا (سود) اور صَرف (Currency Exchange)

رِبا ایک ہی جنس کے مال کو کمی یا زیادتی کے ساتھ لینے کو کہتے ہیں۔ صَرف سونے چاندی کی ایک ہی جنس یا دو مختلف جنسوں میں برابری یا کمی بیشی کے ساتھ لین دین کو کہتے ہیں۔ صَرف (بیع) خرید وفروخت میں ہی ہو سکتا ہے جبکہ رِبا خرید وفروخت، قرض اور سَلم میں ہوتا ہے۔۔۔

بیع اور سلم میں رِبا سوائے چھ اشیاء کے کسی چیز میں نہیں ہوتا: کھجور، گندم، جو، نمک، سونا اور چاندی، جبکہ قرض کی ہر قسم میں سود ہو سکتا ہے اس لیے کسی چیز کو اس طرح قرض دینا حلال نہیں کہ واپس کرنے میں کمی یا زیادتی ہو اور نہ اس کی نوعیت بدل دی جائے، جو چیز قرض لی تھی نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے وہی واپس کرنا پڑے گی۔ بیع اور سلم میں اور قرض کے مابین فرق یہ ہے کہ بیع اور سلم ایک ہی نوع اور نوعیت بدل کر بھی ہوتے ہیں، جبکہ قرض لازمی طور پر اسی نوع میں واپس کرنا ہوتا ہے۔ جہاں تک رِبا کے انہی چھ انواع تک محدود ہونے کی بات ہے اس کے بارے میں اجماع صحابہؓ ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بھی اسی طرح ہے کہ ((الذھب بالذھب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير، والتمر بالتمر والملح بالملح، مثلا بمثل، سواء بسواء، يدا بيد فاذا اختلف هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد)) "سونا سونے

کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جَو جَو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے، برابر سر برابر اور اس ہاتھ دو اُس ہاتھ لو (نقد)، اگر یہ اصناف مختلف ہوں تو نقد جس طرح چاہو بیچو"۔ اس کو مسلم نے عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا ہے۔ یوں اجماع اور حدیث دونوں ان متعین اشیاء کے بارے میں نص ہیں جن میں رِبا (سود) ہوتا ہے۔ اس لیے صرف انہی میں رِبا ثابت ہے، ان چھ انواع کے علاوہ کسی میں حرمت کی کوئی دلیل موجود نہیں، اس لیے دوسری اشیاء میں ربا نہیں، اس لیے جو ان کے جنس میں سے ہو اور ان کے اوصاف اس پر لاگو ہو تے ہوں وہی ان میں داخل ہو گا، اس کے علاوہ کوئی شئے نہیں۔ ان اشیاء میں حرمت کی کوئی علت بھی وارد نہیں اس لیے اس میں تعلیل بھی نہیں کی جاسکتی، کیونکہ علت شرعی ہوتی ہے عقلی نہیں۔ لہٰذا جب تک علت کا کسی نص سے مفہوم نہ ہو وہ معتبر نہیں، علت کا قیاس بھی یہاں نہیں کیونکہ علت کے قیاس میں یہ شرط ہے کہ جس چیز کو علت سمجھا جا رہا ہے وہ ایک مفہوم والا وصف ہو (وصف مفہم)، تاکہ اس پر قیاس کرنا درست ہو، اس لیے جب تک مفہوم والا وصف نہ ہو کوئی اسم جامد ہو یا کوئی غیر مفہوم وصف ہو تو اس کا علت ہونا درست نہیں اور نہ ہی کسی اور کو اس پر قیاس کرنا درست ہے]۔ یہاں تک کتاب "اسلام کا نظامِ اقتصاد" کا اقتباس پورا ہوا، کتاب میں اس باب میں پوری تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ سب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ربا جہاں بھی ہو، حرام ہے، اس میں دارُالاسلام اور دارُالکفر کے درمیان کوئی بھی فرق نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ربا کی حرمت کے نصوص عام ہیں، ان میں کوئی تخصیص نہیں ہوئی، بلااِستثناء اور بغیر کسی قید کے، مطلق وارد ہوئے ہیں، جمہور فقہاء بھی یہی کہتے ہیں۔

دوسری بات: اس حوالے سے احناف سے جو کچھ نقل کیا گیا ہے کہ دارُالحرب میں رِبا جائز ہے، یہ ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد محمد بن الحسن کا مذہب ہے، اس میں ابو یوسف نے ان سے اختلاف کیا ہے۔

آپ نے اپنے سوال میں جو دلائل ذکر کیے ہیں، کہ وہ ابن عباسؓ اور ابو بکرؓ سے اس کے جواز کو نقل کرتے ہیں، تو یہ بات محل نظر ہے:

1-عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے: ابو جعفر طحاوی (المتوفی 321ھ) اپنی کتاب "شرح مشکل الآثار " میں (باب ما يشكل ما روى عن رسول الله ﷺ فيما استدل به محمد بن الحسن فيما كان ابوحينفه يقوله فى اباحة الربا بين المسلمين و بين المشركين فى دارالحرب) "اس مسئلے کی تشریح کا باب جو محمد ابن الحسن نے دلیل کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے منقول کیا جس میں ابو حنیفہ دار الحرب میں مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان سود کے جواز پر ذکر کرتے ہیں" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

[...پس ان آثار میں جو بات آئی ہے وہ یہ ہے کہ رِبا اس زمانے میں دارُ الاسلام میں اہلِ اسلام کے درمیان حرام تھا، پھر ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خُطبۂ حجۃ الوَداع میں ارشاد فرمایا، جس کو الربیع المرادی نے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: جابر بن عبد اللہ کے حوالے سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفات کے دن حجۃ الوداع میں فرمایا: **«وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَوَّلُ رِباً أَضَعُهُ رِبَا العَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ» "اور جاہلیت کا رِبا ختم ہو چکا ہے، اور پہلا ربا جس کو میں ختم کرتا ہوں عباسؓ بن عبد المطلب کا ربا ہے، وہ سارا کا سارا ختم ہے"**۔ مزید فرماتے ہیں: عمرو بن الاحوص سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **«أَلَا إِنَّ كُلَّ رِباً مِنْ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، لَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ» "آگاہ رہو، جاہلیت کا ہر قسم کا ربا ختم کرتا ہوں، تمہارا سرمایہ تمہارا ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ تم پر کوئی اور ظلم کرے گا"**۔

... تو اس میں یہ بات واضح ہے کہ ربا مکہ میں ہوتا تھا، اور یہ اُس وقت تھا جب وہ دار الحرب تھا، یہاں تک کہ فتح کیا گیا، کیونکہ اس کی فتح سے ہی جاہلیت کا خاتمہ ہوا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے قول **((أول ربا أضع ربانا ربا**

العباس بن عبد المطلب)) **"پہلا ربا جس کو میں ختم کر رہا ہوں، ہمارا ربا ہے یعنی عباسؓ بن عبد المطلب کا ربا"**، اس بات پر دلالت کرتا ہے، کہ عباسؓ کا ربا قائم رہا، تاوقتیکہ آپ ﷺ نے اس کو بند کر دیا، کیونکہ ایک چیز موجود ہو تو ہی ختم کی جاتی ہے، ایسا نہیں کہ آپ ﷺ کے ختم کرنے سے پہلے ہی خود ساقط اور ختم ہو جائے...

تو اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ عباسؓ ربا کا معاملہ کرتے رہا تا آنکہ مکہ فتح کیا گیا۔ وہ اس سے پہلے اسلام لے آئے تھے، اس میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ مکہ میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان ربا حلال تھا، کیونکہ وہ دار الحرب تھا، اور آج اگر حرام ہے تو دارُ الاسلام میں مسلمانوں کے لیے حرام ہے۔ جیسا کہ ابو حنیفہ اور الثوری کہتے ہیں]۔اقتباس ختم ہوا۔

راجح جواب یہ ہے کہ :

ا۔اس سے اس بات پر استدلال کرنا کہ عباسؓ مکہ والوں کے ساتھ ربا کا معاملہ کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ دار الحرب تھا، درست نہیں، کیونکہ مکہ فتح کے دن سے ہی دارُ الاسلام بن گیا، اور فتح اس حدیث کے وارد ہونے سے دو برس قبل ہوئی تھی۔ پس اگر رسول اللہ ﷺ یہ ارشاد فتح مکہ کے دن فرماتے تو بھی ایک وجہ بن سکتی تھی۔ جبکہ اگر حدیث فتح کے دو سال بعد زبانِ نبوت سے جاری ہو تو پھر اس سے کس طرح استدلال صحیح ہو سکتا ہے۔

ب۔ پھر اس حدیث نبوی ﷺ میں جاہلیت کی طرف ربا کی نسبت **((أَلَا إِنَّ كُلَّ رِباً مِنْ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ))** **"جاہلیت کے ہر قسم کا ربا ختم کیا گیا ہے"**، کا یہ بھی فائدہ ہو سکتا ہے کہ یہ ربا عباسؓ کے اسلام لانے سے قبل کا تھا، کیونکہ جاہلیت اسلام سے پہلے تھی، اس بنا پر اس حدیث کے معنی میں راجح یہ ہے کہ عباسؓ اسلام سے قبل ربا کا معاملہ کرتے تھے، مقروضوں پر اس کے سودی منافع چڑھے ہوئے تھے، پس نبی ﷺ نے وہ منافع لینے سے ان کو منع کیا۔ **﴿وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ﴾** **"اور اگر تم (سود سے) توبہ کرو تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے"** (البقرۃ: 279)، اور بتایا کہ یہ ربا ختم کیا گیا ہے۔

2-یہ جو انہوں نے استدلال کیا ہے: کیونکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت سے قبل مشرکین قریش کے ساتھ جوا کیا تھا، اور یہ اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے ﴿**الم * غُلِبَتِ الرُّومُ ...**﴾ **"الف لام میم، رومی مغلوب ہو گئے" (الروم: 1)** آیات نازل کیں، اس پر قریش نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے کہ روم کو غلبہ حاصل ہو گا؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ قریش نے کہا، آپ اس پر شرط لگا سکتے ہیں؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا، جی لگا لیتے ہیں، تو ان کے درمیان شرط رکھی گئی، اس کے بعد نبی ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی، تو نبی ﷺ نے فرمایا: **((اذْهَبْ إِلَيْهِمْ فَزِدْ فِي الْخَطَرِ)) "جاؤ شرط میں اضافہ کروا"۔** تو انہوں نے ایسا کر لیا، پھر کچھ عرصہ بعد روم کو فارس پر غلبہ ملا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو شرط لگوائی تھی، اس سے حاصل شدہ مالیت وصول کر لی، آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی، مشرکین مکہ اور ابو بکرؓ کے درمیان یہ واضح جوا اور قمار تھا، جبکہ اس وقت مکہ دارُالشرک تھا۔۔) اس حدیث میں خَاطَرَ کے معنی قمار کے ہیں۔

اس کا جواب دو طریقے سے دیں گے: پہلا یہ کہ جمہور علماء کے خیال میں یہ منسوخ ہے، یہ قمار کی حرمت سے قبل کا واقعہ تھا، دوسرا یہ ہے کہ بعض علماء اس قسم کی شرط کے جواز کے قائل ہیں، وہ اس کو منسوخ نہیں کہتے، کیونکہ اس سے مقصود اسلام کی نصرت تھی، اس کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد ابن القیمؒ نے اختیار کیا ہے۔ یہ دونوں توجیہ ایسی ہیں کہ ان کے ذریعے دار الحرب میں ربا کے جواز پر استدلال مرجوح ہے۔

3-اس بنا پر اس مسئلہ میں زیادہ راجح یہ ہے کہ دو مسلمانوں کے درمیان ربا کا معاملہ حرام ہے، کافر اور مسلمان کے درمیان بھی سودی لین دین حرام ہے، دار الاسلام میں ہو یا دار الکفر اور دار الحرب میں ہو۔ یہی اکثر مالکی، شافعی اور حنبلی فقہاء کا مذہب ہے، یہ جاننے کے لیے اس مسئلے کے حوالے سے بعض فقہاء کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

ا-ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ اپنی کتاب "المغنی" میں فرماتے ہیں: (دارُالحرب میں ربا حرام ہے، جیسے کہ دارُالاسلام میں حرام ہوتا ہے، یہی مالک، اوزاعی، ابو یوسف، الشافعی اور اسحاق کا قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَحَرَّمَ الرِّبا﴾ **"اور ربا کو حرام قرار دیا"**(البقرۃ: 275)، اور ﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبا لا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ **"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اُٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اُٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو"**(البقرۃ: 275)، اور فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا﴾ **"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مؤمن ہو تو سود کا جو حصہ بھی (کسی کے ذمے) باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو"**(البقرۃ: 278)۔ نیز احادیث کا عموم بھی تفاضل (کمی بیشی) کی حرمت کا تقاضا کرتا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد: **((فَمَن زادَ أوِ اسْتَزادَ فقَدْ أرْبَى))** **"جس نے اضافہ کیا تو اس نے ربا کیا"**، یہ عام ہے، اسی طرح (اس موضوع پر) باقی احادیث بھی۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جو چیز دار الاسلام میں حرام ہو، وہ دار الحرب میں بھی حرام ہوتی ہے، مثلاً سود جیسے مسلمانوں کے درمیان حرام ہے..."")۔ ابن قدامہ نے یہ بھی فرمایا ہے: (جو دشمن کی زمین میں امان لے کر داخل ہو جائے تو وہ دشمن کے ساتھ ان کے مالوں میں خیانت نہ کرے، اور ربا کا معاملہ بھی نہ کرے...)۔ نیز فرماتے ہیں: (جہاں تک دارُ الحرب میں ربا کی حرمت کا تعلق ہے، تو ہم نے اس کو ربا کے باب میں بیان کر دیا ہے، اس کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول: ﴿وَحَرَّمَ الرِّبا﴾ **"اور ربا کو حرام قرار دیا"**، اور اس سے متعلقہ باقی آیات کریمہ اور احادیث واخبار سب ربا کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں)۔ ابن قدامہ کی بات ختم ہوئی۔

ب- النووی المجموع شرح المھذب میں فرماتے ہیں: (ربا دار الحرب میں اسی طرح جاری ہوتا ہے جیسے دار الاسلام میں، یہی مالک، احمد، اور ابو یوسف کا قول ہے، ہماری دلیل یہ ہے: ربا کو حرام کر دینے والی تمام دلیلوں کا عام ہونا، کیونکہ جو کچھ دار الاسلام میں حرام ہوتا ہے، وہ دار الشرک میں بھی حرام ہوتا ہے، جیسے تمام بے حیائی اور گناہ کے کام، نیز یہ کہ یہ ایک فاسد لین دین ہے، جس کی بنیاد پر کسی شے کو مباح نہیں بنایا جا سکتا، جیسے نکاح...)۔

آخر میں میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ پر حلال اور پاک رزق کے دروازے کھول دے، اور عمدہ اور پاکیزہ زندگی کی نعمت نصیب کردے، یوں آپ کی زندگی اللہ کی فرمانبرداری میں گزرے، اور دونوں جہانوں میں کامیابیاں ملیں، یہ بڑی کامیابی ہے

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

08 محرم الحرام 1443ھ

16 اگست 2021ء

فہرست

سوال کا جواب: ایک مقررہ رقم سے خریداری کے وقت خریدار کو تحفہ دینا

(عربی سے ترجمہ)

ابوالبراء محمد علی کا سوال

سوال:

السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ

ہمارے جلیل القدر شیخ عطاء بن خلیل ابوالرشتہ، اللہ آپ کو کامیاب کرے، ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ اللہ نیک اور متقی اہلِ قوت کے دل اس دعوت کے لیے کھول دے، فاضل شیخ، میرا سوال یہ ہے۔

بعض دکاندار آفر کی کچھ اس طرح تشہیر کرتے ہیں:

جب ایک خریدار ایک دکان سے بیس دینار کی قیمت کے مساوی خریداری کرے گا تو وہ انعام حاصل کرنے کے لیے ایک مبہم قرعہ اندازی میں شامل ہو سکے گا۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس تشہیر میں حرام شامل ہے؟ یا یہ جائز ہے؟

اور اگر گاہک کے علم میں لائے بغیر دکاندار خریدار کا نام (قرعہ اندازی) میں شامل کرے تو کیا خریدار حرام کا مرتکب ہو گا؟ یا پھر حرام کا ذمہ دار تشہیر کرنے والا ہو گا؟ اللہ برکت دے اور ہم سب کو جلد بیت المقدس میں آپ کی بیعت میں یکجا کرے، ان شاءاللہ۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

اس قسم کے سوال پر ہم پہلے ہی 14 مئی 2007 کو جواب شائع کر چکے ہیں جس کو میں آپ کے لیے نقل کرتا ہوں:

[بیع غرر (نامعلوم بیع) باطل ہے، کیونکہ خریدے ہوئے سامان کا معلوم ہونا لازمی ہے، اگر خریدا ہوا سامان معلوم ہو تو بیع (خرید وفروخت) درست ہے ورنہ سامان کا نامعلوم ہونا بیع کو باطل کرتا ہے۔

جن حالات کا میں نے ذکر کیا ان کی حقیقت اور احکامات مختلف ہیں:

1۔ خریدار کو متعین مقدار دینا پھر ہدیہ وغیرہ کے طور پر مزید دینا جائز ہے، بیع درست ہے، جو زیادہ ہے وہ ھبہ میں داخل اور درست ہے۔

2۔ معلوم سامان میں معلوم تحفہ رکھنا، جیسے چمچہ، بچوں کی گھڑی، یا اس میں پرچی رکھنا جس پر انعام کا نام لکھا ہو تاکہ خریدار اس لکھے ہوئے معلوم انعام یا تحفہ کو وصول کرنے کے لیے تاجر کے پاس جائے، یہ جائز ہے، یہ بیع درست ہے بشرطیکہ خریدا ہوا سامان معلوم ہو مثال کے طور پر: کوئی ڈبہ جس میں کوئی تحفہ موجود ہو، یہ بیع درست ہے کیونکہ خریدار نے اس ڈبے کی قیمت ادا کی اور اس کے اندر اس کو گھڑی ملی جو کہ تحفہ ہے اگر اس کے اندر کچھ نہ ہو تب بھی جائز ہے، کیونکہ اس نے ڈبہ خرید کر اس کی قیمت ادا کی اور فروخت کرنے والا اس کو تحفہ دینے کا پابند نہیں۔ اس لیے اگر اس میں تحفہ ملا تو جائز اور نہیں بھی ملا تو بھی جائز ہے۔

3۔ہاں، تالہ لگا ہوا صندوق فروخت کرنا جس میں یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے اندر کیا ہے، وہ خالی بھی ہو سکتا ہے یا اس میں اتنی قیمتی چیز ہو جو اس کی قیمت سے زیادہ ہو یا پھر قیمت کے مساوی ہو یا اس کی قیمت سے کم ہو۔۔۔ یہ بیع غرر ہے جو کہ ناجائز ہے۔

4۔کسی معلوم سامان میں ایک نمبر رکھنا تاکہ خریدار انعام کے لیے قرعہ اندازی میں شامل ہو، اس کا جوا کے باب میں شامل ہونے کا امکان زیادہ ہے، یہ اس لیے کہ جوا یہ ہے کہ غالب مغلوب سے اور جیتنے والا ہارنے والے سے لے، ہر وہ کام جس میں فریقین شریک ہوں اور جیتنے والا ہارنے والے سے کچھ لے وہ جوا میں داخل ہے۔

افراد کارڈ کے ساتھ کھیلیں اور جیتنے والا ہارنے والوں سے کچھ لے یہ جوا ہے اور یہ حرام ہے۔ اگر دو افراد گھوڑوں یا گاڑیوں یا موٹر سائیکل پر ریس لگائیں اور ریس جیتنے والا ہارنے والوں سے کچھ لے لے، تو یہ جوا ہے۔ اگر دس افراد کاغذوں پر اپنے نام یا نمبر لکھیں اور ان کو کسی ڈبے میں ڈالیں اور ایک نام یا نمبر نکالیں، اور جس کا نام یا نمبر نکلا ہو وہ ان لوگوں سے کچھ لے لے جن کے نام نہیں نکلے تو یہ جوا ہے جو کہ حرام ہے، وغیرہ۔

اب ہم خریدے ہوئے سامان میں رکھے ہوئے اس نمبر کی طرف آتے ہیں جو قرعہ اندازی میں شامل ہوگا۔ راجح یہ ہے کہ فروخت کرنے والے نے انعام کی قیمت کو حساب میں شامل کیا۔ مثال کے طور پر وہ انعام جس کے لیے قرعہ اندازی ہوگی اس کی مالیت ایک ہزار روپے ہے اور اس کا نمبر 50 ہے۔ اب بیچنے والا دس ہزار ڈبوں میں سے ہر ڈبے میں ایک نمبر رکھتا ہے یعنی وہ ان صندوقوں میں 1، 2،...، 10000 تک نمبر لگاتا ہے جس میں 50 نمبر بھی ہے اور وہ انعام کی قیمت جو کہ ایک ہزار روپے ہے، اس کو بھی دس ہزار صندوقوں کی قیمت میں شامل کرتا ہے، پھر ڈبے کو سو روپے پر بیچنے کی بجائے دس پیسے زیادہ قیمت پر بیچتا ہے اور دس ہزار ڈبے بیچنے کے بعد قرعہ اندازی کے وقت 10000 ضرب دس پیسے یعنی ایک ہزار روپے جو کہ قرعہ اندازی میں ملنے والے انعام کی قیمت ہے وہ پوری ہو جاتی ہے، جس کو جیتنے والے کو دیا جائے گا۔ یوں جیتنے والے نے دیگر خریدنے والوں کے پیسوں سے انعام لیا، اگرچہ معاملہ اعلانیہ نہیں تھا۔

یہاں کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ تاجر عمومی طریقے سے سامان بیچتا ہے اور گاہکوں کو راغب کرنے اور سامان خریدنے کے لیے ان کو اکسانے کے لیے اس میں ایسے کوئی نمبر نہیں رکھتا جن پر قرعہ اندازی ہو گی، وہ انعام کی قیمت اس قیمت میں شامل نہیں کرتا۔ اگرچہ اس کا احتمال ہے یعنی انعام کو گاہکوں کو راغب کرنے کے لیے قیمت میں کسی اضافے کے بغیر رکھا گیا ہو، خاص طور پر جب انعام بڑا ہو جیسے گاڑی وغیرہ کے لیے قرعہ اندازی۔۔

بہر حال اگر یہ ہارنے والوں کے نمبر (کی قیمت) کے بدلے نہ ہو تو یہ مشتبہ امور میں داخل ہے۔

اس وجہ سے میں نصیحت کرتا ہوں کہ بھائی نمبروں والے اشیاء کو نہ خریدیں، قرعہ اندازی میں شامل نہ ہوں ، سامان میں موجود نمبر کو پھاڑ کر پھینک دیں تا کہ شیطان ان کو قرعہ اندازی میں شامل ہونے کا دھوکہ نہ دیں۔ 27 ربیع الآخر 1428 بمطابق 14 مئی 2007۔] اقتباس ختم ہوا۔

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں اس بات کو راجح سمجھتا ہوں کہ فروخت کرنے والے نے سامان کی قیمت میں کم از کم انعام کی رقم کا بھی اضافہ کیا ہو گا، یوں گاڑی (انعام) جیتنے والے نے ہارنے والوں کے نمبروں کی قیمت سے یہ گاڑی جیت لی، اس لیے میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ یہ معاملہ جائزہ نہیں۔۔۔ کم از کم جیسا کہ میں انے اوپر ذکر کیا کہ یہ مشتبہ امور میں سے ہے، مومن مشکوک چیز سے دور رہتا ہے۔ ترمذی نے ابی الحوار السعدی سے روایت کی ہے اور اس کو حسن صحیح حدیث کہا ہے کہ میں نے حسنؓ بن علی سے کہا: تم نے رسول اللہ ﷺ سے کیا یاد کیا؟ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ یاد کیا: **«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِينَةٌ وَإِنَّ الْكَذِبَ رِيبَةٌ«. "جو تمہیں شک میں نہ ڈالے وہ لے لو جو تمہیں شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو، سچائی اطمینان بخش ہے اور جھوٹ شک ہے"۔**

ہاں اگر آپ کو یقین ہو کہ فروخت کرنے والے نے سامان کی قیمت میں انعام کی قیمت کا اضافہ نہیں کیا ہوا بلکہ اس نے انعام کو اپنی اشیاء کی تشہیر کے لیے اللہ کے واسطے لوگوں کو تحفہ کے طور پر دیا ہو ! تب اس موضوع کے لیے دوسری تحقیق کی ضرورت ہے۔

امید ہے یہ کافی ہو گا اللہ ہی زیادہ علم اور حکمت والا ہے۔

آپ کا بھائی،

عطاء بن خلیل ابوالرشتہ

29 محرم الحرام 1443ھ

بمطابق 6 ستمبر 2021

فہرست

سوال وجواب اس کو مت بیچو جو تمہارے پاس نہیں

(عربی سے ترجمہ)

عبداللہ حداد کا سوال

سوال:

السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ، اللہ اسلام کے لیے آپ کو ایک دائمی اثاثہ بنائے۔

میں اس موضوع کی وضاحت چاہتا ہوں: "اس کو مت بیچو جو تمہارے پاس نہیں"، کیا یہ ہر اس سامان کے بارے میں ہے جس کو بیچا جاتا ہے یا یہ کھانے پینے کی اشیاء کے ساتھ خاص ہے؟

مثال: ایک تاجر ہے جو تعمیراتی مال بیچتا ہے جیسے سیمنٹ، ریت وغیرہ۔ اس سے سریا مانگا جاتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتا، وہ مطلوبہ مقدار میں سریا بھیجنے کے لیے سریے کے تاجر سے رابطہ کرتا ہے، اس کا حکم کیا ہے؟

اس بات کا لحاظ رہے کہ اس تاجر اور سریے کے تاجر کے درمیان قیمت کے بارے پہلے سے اتفاق موجود ہے۔

ایک اور مثال: ایک شخص کوئی سامان خرید تا ہے اور اس کا قبضہ حاصل نہیں کرتا بلکہ اس کو کسی اور شخص کو فروخت کرتا ہے، کیا یہ بھی اس چیز کی فروخت میں داخل ہے جو اس کی ملکیت نہیں؟

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃاللہ وبرکاتہ

جو کچھ تاجر کے پاس نہیں اس کو بیچنے کے ممنوع ہونے کا حکم کھانے پینے اور اس کے علاوہ اشیاء، سب کے لیے ہے۔اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کو ناپا جاتا ہے، تولا جاتا ہے اور گنا جاتا ہے۔ ہم نے کتاب اسلامی شخصیت جلد دوئم میں اس کی تفصیل اس عنوان سے بیان کی ہے، "اس چیز کو بیچنا جائز نہیں جو تمہارے پاس نہیں"۔ میں آپ کے لیے اسی کو دہراتا ہوں:

[اس چیز کو بیچنا جائز نہیں جو تمہارے پاس نہیں: ملکیت کے مکمل ہونے سے پہلے سامان کو بیچنا جائز نہیں، اگر اسی حال میں اس کو بیچ ڈالے تو یہ بیع (خرید و فروخت) باطل ہے۔ یہ دو حالتوں پر صادق آتا ہے، ایک یہ کہ سامان کا مالک بننے سے قبل ہی اس کو بیچ ڈالے، دوسری یہ کہ خریدنے کے بعد مگر قبضے کے ذریعے اس کا مالک بننے سے پہلے اس کو بیچ دے اور ملکیت کے مکمل ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے، کیونکہ بیع کا عقد ملکیت پر لاگو ہوتا ہے، جس کا ابھی مالک ہی نہیں بنا، یا خرید تو لیا مگر اس کی ملکیت ابھی مکمل نہیں ہوئی، جب تک اس کو قبضے میں نہ لے لے، اس پر بیع کا عقد لاگو نہیں کیونکہ وہ محل ہی موجود نہیں جہاں عقد شرعاً لاگو ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بیع (فروخت) سے منع فرمایا ہے جو بیچنے والے کی ملکیت میں نہیں۔ حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ: "میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک شخص میرے پاس آکر مجھ سے کہتا ہے مجھے بیچ دو، جو اس کو بیچنا ہے وہ میرے پاس نہیں تو میں بازار سے اس کو بیچ دیتا ہوں"، فرمایا: **«لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ» "جو تیرے پاس موجود نہیں اس کو مت بیچو"**۔ اس کو احمد نے روایت کیا ہے۔ اور عمرو بن شعیب نے اپنے باپ پھر دادا سے روایت کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ، وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ، وَلَا رِبْحُ مَا لَمْ تَضْمَنْ، وَلَا بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ» " ادھار اور بیع ایک ساتھ جائز نہیں، نہ ایک بیع میں دو شرطیں، نہ ہی اس چیز کا منافع لینا جس کا وہ ضامن نہ ہو، نہ ہی اس چیز کو بیچنا جو تمہارے پاس نہ ہو"**۔ اس کو ابو داود نے روایت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے یہ کہنا کہ جو کچھ تمہارے پاس نہیں، یہ عام ہے جس میں ہر وہ چیز داخل ہے جو تمہارے پاس نہیں، جس کو حوالے کرنا تمہاری قدرت میں نہ ہو، جس کا تمہاری ملکیت ہونا مکمل نہیں۔ اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جو اس چیز کو بیچنے سے منع کرنے کے حوالے سے ہیں جس پر قبضہ نہیں کیونکہ ملکیت کی تکمیل کی شرط قبضہ ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس

نے کچھ خریدا، اس کو فروخت کرنے کے لیے پہلے اس کو قبضے میں لینا ضروری ہے کیونکہ اس کو قبضے میں لینے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس کو بیچنا ایسی چیز کو بیچنے کے حکم میں ہے جس کا بیچنے والا مالک ہی نہیں، نبی ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ ابْتَاعَ طَعَاماً فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ» **"جو شخص کوئی کھانا (اناج وغیرہ) خریدے تو اس کو پورا لینے سے پہلے نہ بیچے"**۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ جبکہ ابو داود کی روایت ہے کہ: **«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ أَنْ تُبَاعَ السِّلَعُ حَيْثُ تُبْتَاعُ، حَتَّى يَحُوزَهَا التُّجَّارُ إِلَى رِحَالِهِمْ» "نبی ﷺ نے اس سامان کو اس وقت تک فروخت کرنے سے منع فرمایا جب تک خریدنے کے بعد تاجر اس کو اپنی سواریوں پر لاد نہ دیں"**، ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ: **« أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ شِرَاءِ الصَّدَقَاتِ حَتَّى تُقْبَضَ» "نبی ﷺ نے قبضہ کرنے تک صدقات کو خریدنے سے منع کیا ہے"**، جبکہ البیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے عتاب بن اسید سے کہا: **«إِنِّي قَدْ بَعَثْتُكَ إِلَى أَهْلِ اللَّهِ، وَأَهْلِ مَكَّةَ، فَانْهَهُمْ عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يَقْبِضُوا» "میں تمہیں اللہ والوں اور اہل مکہ کے پاس بھیج رہا ہوں، ان کو اس چیز کو فروخت کرنے سے منع کرو جو ان کے قبضے میں نہ ہو"**۔

یہ ساری احادیث اس چیز کو فروخت کرنے سے منع کے بارے میں صریح ہیں جس کو قبضے میں نہیں لیا گیا ہو، کیونکہ وہ پوری طرح اس کو بیچنے والے کی ملکیت میں نہیں، جس چیز کو قبضے میں لینے کی ضرورت ہوتی ہے خریدنے والے کی جانب سے اس کو قبضے میں لینے تک ملکیت مکمل نہیں ہوتی، وہ بیچنے والے کی ضمانت میں ہوتی ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بیع کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ سامان بائع (بیچنے والے) کی ملکیت ہو، اس کی ملکیت مکمل ہو۔ اگر وہ اس کی ملکیت نہ ہو یا ملکیت ہو مگر ملکیت مکمل نہیں ہوئی ہو تو اس کو فروخت کرنا مطلقا جائز نہیں، اس میں وہ چیز بھی شامل ہے جس کا مالک تو ہو مگر اس پر قبضہ نہ کیا ہو کیونکہ ملکیت کے مکمل ہونے کی شرط قبضہ ہے۔ یہ ناپنے، تولنے اور گننے والی تمام چیزوں کے لیے ہے۔ رہی بات اس چیز کی جس میں ملکیت کی تکمیل کے لیے قبضہ شرط نہیں جو ناپ، تول اور وزن والی نہیں جیسے جانور، گھر اور زمین وغیرہ، تو ان میں فروخت کرنے والے کے لیے قبضہ کرنے سے

پہلے فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ ان میں صرف ایجاب اور قبول سے بیع کا عقد کرنے سے بیع مکمل ہوتی ہے، چاہے قبضہ کرے یا نہ کرے، ایسی صورت میں ان کو بیچنا ایک ایسی چیز کو بیچنا ہے جس کی ملکیت مکمل ہے۔اس لیے نہ بیچنے کا مسئلہ قبضہ کرنے یا قبضہ نہ کرنے سے متعلق نہیں بلکہ بیع کی ملکیت کے متعلق اور ملکیت کے مکمل ہونے سے متعلق ہے۔ جہاں تک غیر مکیل (جس کو ناپا نہیں جاتا)، غیر موزون (جس کو وزن نہیں کیا جاتا)، غیر معدود (جس کو گنا نہیں جاتا) کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچنے کے جائز ہونے کی بات ہے تو اس کی دلیل صحیح حدیث ہے۔ بخاری نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ بکر پر عمرؓ کا کچھ تھا: **«فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِعْنِيهِ، فَقَالَ عُمَرُ: هُوَ لَكَ فَاشْتَرَاهُ ثُمَّ قَالَ: هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ، فَاصْنَعْ بِهِ مَا شِئْتَ»** **"نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: اس کو مجھے بیچ دو، عمرؓ نے کہا: آپ کا ہو گیا خرید لیں۔ پھر فرمایا: اے عبداللہ بن عمر، وہ تمہارا ہو گیا، تم اس کے ساتھ جو چاہو کرو"**۔ یہ قبضہ سے پہلے ہبہ کی ہوئی چیز میں بیع کی شکل میں تصرف ہے جو قبضے سے پہلے ملکیت کے مکمل ہونے پر دلالت کرتا ہے، اس کو بیچنے کے جائز ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ بائع کی ملکیت مکمل ہو چکی تھی۔

اس بنا پر بیچنے والا اگر کسی چیز کا مالک ہو چکا ہو اور اس کی ملکیت مکمل ہو تو اس کو بیچنا جائز ہے، جس کا مالک نہ ہو یا ملکیت مکمل نہ ہو تو اس کو بیچنا جائز نہیں۔ لہذا چھوٹے تاجر جو یہ کرتے ہیں کہ گاہک کے ساتھ سامان کا سودا طے کرنے اور قیمت پر اتفاق کرنے کے بعد اس کو بیچتے ہیں اس کے بعد جا کر وہ سامان دوسرے تاجر سے خرید کر لاتے ہیں اور لا کر گاہک کو پیش کرتے ہیں اور اس کے حوالے کرتے ہیں، یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ اس چیز کو بیچنا ہے جس کے وہ خود مالک ہی نہیں۔ جب اس تاجر سے اس سامان کے بارے میں پوچھا گیا تھا اس وقت وہ سامان اس کے پاس موجود ہی نہیں تھا نہ ہی وہ اس کا مالک تھا، صرف اس کو یہ معلوم تھا کہ یہ سامان منڈی میں دوسروں کے پاس پایا جاتا ہے۔ اس نے جھوٹ بولا اور گاہک کو بتایا کہ وہ سامان اس کے پاس موجود ہے اور اس کو بیچ دیا، بیچنے کے بعد جا کر اس کو خریدا، یہ حرام ہے کیونکہ ایسی چیز کا بیچنا جائز نہیں جس کا بیچنے والا مالک ہی نہ ہو۔ اسی طرح سبزی منڈی والے اور غلہ منڈی والے دکاندار جو کچھ کرتے ہیں کہ مالک بننے سے قبل ہی سبزیوں اور اناج کو فروخت کرتے ہیں۔ بعض تاجر سبزیاں یا اناج کسان سے

خریدتے ہیں اور قبضہ کرنے سے پہلے ہی فروخت کرتے ہیں۔ یہ جائز نہیں کیونکہ یہ کھانے پینے کی اشیاء میں سے ہے اور اس کی ملکیت قبضہ سے پہلے مکمل نہیں ہوتی۔ یہی حال دوسرے ممالک سے اشیاء کو درآمد کرنے والوں کا ہے۔ان میں سے بعض اشیا خریدتے ہیں اور ان کو اپنے ملک پہنچانے کی شرط رکھتے ہیں اس کے بعد ان کے پہنچنے سے پہلے ہی بیچتے ہیں، یعنی ملکیت مکمل ہونے سے پہلے ہی بیچ دیتے ہیں۔ یہ حرام بیع ہے کیونکہ یہ ایسی چیز کو فروخت کرنا ہے جس کا بیچنے والا ابھی تک مالک ہی نہیں۔]

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز تمہارے پاس نہیں یعنی جس کے تم مالک نہیں یا جس پر تم نے ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اس کو بیچنا جائز نہیں، اس میں سارے معدود، موزون اور مکیل شامل ہیں، چاہے وہ کھانے پینے کی چیز ہو یا نہ ہو۔ ہاں جو مکیل ، موزون اور معدود نہ ہو جیسے جانور، گھر، زمین وغیرہ تو اس کو بیچنا صرف ایجاب اور قبول کے ذریعے عقد سے جائز ہے، اس میں مبیع (وہ چیز جس کو بیچا گیا ہے) کی ملکیت عقد سے مکمل ہو گئی ہے، اس حالت میں قبضہ شرط نہیں جیسا کہ اوپر کتاب اسلامی شخصیت جلد دوئم میں سے وضاحت کی گئی ہے۔

یوں سریا اور سیمنٹ کے تاجر کے لیے اس چیز کو بیچنا جائز نہیں جو اس کے پاس موجود نہیں، بلکہ اس کو چاہیے کہ وہ پہلے اس کو خریدے اس پر قبضہ کرے یعنی اس چیز کو اپنی دکان منتقل کرے، اس کے بعد اس کو فروخت کے لیے پیش کرے۔ جیسا کہ ہم نے کہا کہ تمام معدود، موزون اور مکیل کو اسی طرح ہی بیچا جا سکتا ہے، جبکہ جو معدود، موزون اور مکیل نہیں ان میں ملکیت کافی ہے، قبضہ کے بغیر بھی بیچا جا سکتا ہے۔

امید ہے کہ یہ کافی ہو گا، اصل علم اور حکمت تو اللہ کی ہے

آپ کا بھائی، عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

1 جمادی الاولی 1443 ہجری

5 دسمبر 2021ء

فہرست

ملک کا ایک بڑا حصہ سیلاب میں ڈوبا ہے جبکہ سیاسی و فوجی قیادت اس سے لاپرواہ اقتدار کی رسہ کشی میں مصروف ہے

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

NDMA کے مطابق ملک کے بڑے حصے میں مون سون کی بارشوں کی وجہ سے سیلابی صورتحال ہے۔ جون سے اب تک 903 افراد جاں بحق ہو چکے ہیں، 1293 افراد زخمی، تقریباً تین لاکھ گھر جزوی طور پر تباہ اور دو 12 لاکھ مکمل تباہ ہو چکے ہیں۔ سیلابی ریلے متاثرین کے بچوں کو بہا کر لے جا رہے ہیں، لوگوں کو نہ چھت میسر ہے اور نہ ہی کھانے پینے کا سامان، اکثر علاقوں کا زمینی رابطہ تک کٹ گیا ہے، لیکن حکومت کا دور دور تک نام و نشان موجود نہیں۔

صورتحال ہے کہ ریاست کو اپنی پوری قوت اور توانائی کے ساتھ دن رات ایک کر کے متحرک ہونا چاہیئے اور ہر سیلاب وہ شخص کی تکلیف دور کئے بغیر چین سے نہ بیٹھے۔ لیکن حکمرانوں کے طرز عمل سے ایسا لگتا ہے جیسے یہ سب حقیقی انسانوں اور ان کے شہریوں کے ساتھ نہیں ہو رہا بلکہ یہ کسی فلم یا ٹی وی شو کا منظر نامہ ہے، جس کو دیکھ کر عارضی طور پر افسوس کا اظہار کرنا کافی ہے۔ اور حقیقی مسئلہ تو اقتدار کی رسہ کشی یا پھر آئی ایم ایف سے بیل آوٹ پیکج کی منظوری ہے تاکہ ملک کو مزید سودی قرضوں اور اس سے منسلک ظالمانہ شرائط کے شکنجے میں پھنسا دیا جائے۔

ایک طرف یہ سیاسی قیادت عوام کے حقوق کا ڈھنڈورا پیٹتی ہے اور ان کے حقوق کا ٹھیکدار ہونے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن دوسری جانب انہیں سیلاب کی صورتحال میں اس بات کا بھی ہوش نہیں کہ جس عوام کے نام پر وہ اقتدار کے حصول کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں، اسی عوام کو انہوں نے بالکل تنہا مرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ جمہوری سیاست در حقیقت عوام کی خدمت نہیں بلکہ اپنی خدمت کرنے کا نام ہے۔ اس سے پہلے سندھ اور کراچی کے سیلابوں میں ہم یہی صورتحال دیکھ چکے ہیں، بلکہ نہیں، ہم نے پچھلی کئی دہائیوں میں ہنگامی صورتحال کے دوران حکمرانوں کی ایسی بے حسی اور غفلت درجنوں بار دیکھ چکے ہیں !!!

چاہے بدترین سیلاب ہوں یا کمر توڑ مہنگائی، ناموس رسالت ﷺ کی حفاظت ہو یا کشمیر کی آزادی، چاہے صحت و تعلیم کی سہولیات ہوں یا امن و امان، بجلی کے بل ہو یا پٹرولیم مصنوعات کی قیمتیں، جمہوریت مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ آج بھی پاکستان کے مسلمان اپنے بھائیوں کی مدد کرنے کے لیے نکلے ہوئے ہیں، جبکہ حکمران یا تو آئی ایم ایف کو منانے میں لگے ہوئے ہیں یا ورلڈ کپ فٹبال میں سیکیورٹی کی ذمہ داریاں افواج پاکستان کو ملنے پر خوشی کے شادیانے بجا رہے ہیں، جیسے کہ ہماری افواج کا مقصد محض ڈالر کمانا ہو۔

سیلاب یا کسی بھی مشکل میں یہ صرف نبوت کے نقش قدم پر قائم خلافت ہی ہے جو ہمارا خیال رکھ سکتی ہے۔ خلیفہ نہ صرف اسلام کو مکمل طور پر نافذ کرتا ہے بلکہ ہماری فلاح و بہبود کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے اور اس حوالے سے اللہ ، سبحانہ و تعالیٰ کے دربار میں اپنے احتساب کا خوف بھی رکھتا ہے۔ دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا **لَوْ مَاتَتْ شَاةٌ عَلَى شَطِّ الْفُرَاتِ ضَائِعَةً لَظَنَنْتُ أَنَّ اللهَ تَعَالَى سَائِلِي عَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ**
اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بھٹکی ہوئی بھیڑ بھی مر جائے تو میں سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں سوال کریں گے۔" (حوالہ ابو نعیم کی کتاب، 'حلیۃ الاولیاء")۔

سیلاب کے دوران بدترین غفلت کے مظاہرے نے جمہوریت کی خباثت کو سب پر واضح کر دیا ہے، اور اب اس کو لپیٹنے کا وقت آ گیا ہے۔ تو اے افواج پاکستان میں موجود مخلص افسران ! اس مبارک کام کو سرانجام دینے کیلئے آگے بڑھیں۔ اس امت پر ترس کھائیں اور اپنی طاقت کو پاکستان کے مخلص مسلمانوں کی مدد کیلئے استعمال کریں، وہ طاقت جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے اور وہ اس پر آپ کا احتساب کرے گا۔ آگے بڑھیں اور خلافت کی فوری قیام کیلئے حزب التحریر کو نصرۃ دیں جو منٹوں اور گھنٹوں میں پوری طاقت اور توجہ سے متحرک ہو کر سیلاب کے متاثرین کو مدد فراہم کرے گی۔

نُصرة

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفۂ راشد کو قرآن وسنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرمادیں گے جب وہ چاہیں گے۔اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)